کہ بالآخر وہ جھک گیا اور اوس نے اپنی کتابیں ان اخباروں اور رسالوں
تو ان میں تنقید و تشہیر کے لئے بھیجنا ہی بند کر دیا، پھر نئے مصنفین کی کتابوں کا
حشر سامنے ہے۔

۵ - ہر زبان کی ترقی کا ذریعہ یا حکومت یا دولت مند طبقہ ہوتا ہے
چنانچہ آج ہندو روساء اور ہندو دولت مند ہندی زبان کو ہندوستان کی
واحد اور سرکاری زبان بنانے کیلئے اپنی دولت کو جس فراخ حوصلگی سے
صرف کر رہے ہیں، جتنے زیادہ مطابع اور اہل قلم ہندی زبان میں کام کر رہے
ہیں اوس کا لازمہ یہ ہے کہ آج ہندی زبان میں سیاست و اخلاق اور
مذہب و معاشرت سے لیکر زندگی کے ہر حصہ پر کافی ذخیرہ معلومات کا
مل سکتا ہے، بخلاف اس کے مسلمان کی
تمام تر دولت یا یورپ کی سیاحت پر صرف ہو رہی ہے یا یوروپین
وضع کی تفریحات پر بلکہ مجھے تو اطمینان ہے کہ یورپ کی تفریحی تقلید میں مسلمانان
ہند نے جتنی دولت مس زبیدہ جان ناٹک والی پر خرچ کر دی ہے اوتنی
دولت سر سید علیہ الرحمۃ کو بھی نہ ہوی ہوگی!!! - اور صرف مسلمان
کی اس روش سے اس یکسر بے خبری کا باعث ہے کہ آج زبان اردو

علوم وفنون اور حیات بخش ذخیرۂ ادب سے خالی ہے، اور تاریخ وطن او
تاریخ اردو ... میں موجودہ زمانے کے مسلمانوں . . . .
اس بے حیا ذہنیت پر جو کچھ لکھا جائیگا اون کی آیندہ نسلیں بھی اون پر
نفرین بھیجنے پر مجبور رہوں گی۔

میرا مقصد تحریر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ قوم میں زوال وغلامی، غیر قومی علوم
اور غیر قومی تربیت سے جو افلاس انگیز اور موت آور ذہنیت پیدا ہو گئی ہے
قومی افراد کے دماغوں میں متانت وسنجیدگی نام کی جو خشکی اور افسردگی پیدا
کردی گئی ہے، ملازمت کی لعنت اثر زندگی اور اولاد کی کثرت سے جو مالی
تباہی پھیل پڑی ہے اور اس سے جو مزاجی خشکی اور دماغی پریشانی چھائی
ہوئی ہے اوس کا یہ "مولویانہ اثر" ملاحظہ ہو کہ ہندوستانی لوگ اپنی
تفریحی مجالس اور تفریحی تقاریب میں بھی اتنے گاڑھے اور موٹے موٹے
واللہ جنا بچے بنے رہتے ہیں گویا قہقہہ انہیں دس دس سال کی سزا دیدی
جائیگی اگر وہ اپنی تفریحی محفل میں کہیں ہنس پڑے"۔
بس مسلمانوں کی رونے والی فطرت کی حد ملاحظہ ہو کہ حضرت میرانیسؔ

اپنے مرثیہ میں شجاعت پناہ امام حسینؓ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و تیغ افگنی کے جتنے جوش انگیز واقعات لکھے اونہیں تو طاق پر رکھدیا اور مرثیہ کا وہ حصہ لیکر بیٹھ گئے جس میں رونے اور رولانے کے حالات جمع ہیں، پس چاہتا ہوں کہ یہ رونے والی قوم میرے ذخیرۂ تحریر سے زندہ دلی، خوش دماغی، ہنسی اور خوش طبعی کی امنگ اور مسرت اندوز زندگی کی بہاریں حاصل کرے۔ اور نول کشوری مطبع کے مولویوں نے جتنی کتابیں قیامت اور دوزخ کے عذابوں سے ڈرانے اور رولانے کے لئے لکھی ہیں اون کے مقابل جنت کی بہاروں کا کوئی تحریری نمونہ بھی موجود رہے۔

ایک وقت وہ بھی تھا جب ظرافت میں سیاست یا سیاست میں ظرافت کا رنگ بھرنا اصحاب قلم کے بس کی بات نہ تھی اور آج بھی یہی عالم ہے کہ ظرافت نگار تو بدقسمتی سے آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر ان کا قلم جو کچھ لکھتا ہے اوس کے چھچھورپن سے اپنے مضامین کو بلند رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہوسکتا تھا کہ میں اپنے مضامین میں پھر کوئی امتیازی انداز پیدا کروں پس اس مقصد کے تحت میں نے چند ایسے مضامین لکھے جو خالص علمی موضوعات کی شان رکھتے تھے

اور ان پر کوئی مولوی ہی قلم اٹھا سکتا تھا، مگر میں نے انہی خشک موضوعات کے ظریف کردار کو پیش نظر رکھکر ان پر جو کچھ لکھا اس کا مقصد یہ تھا کہ متانت پیشہ یا خشک فطرت قوم میں اسیطرح علمی مذاق اور ظریف تحریروں کو مقبول بنایا جائے ورنہ آپ ہی بتائے کہ "زکام" اور دردکھانسی پر گل بنفشہ، عناب، گاؤزبان، شربت بنفشہ، حب سرفہ، اور لعوق سپستان تو لکھا جا سکتا تھا۔ مگر مضمون نہیں، اسیطرح میں نے "درائے قانونی زندگی، شکایت وغیرہ خشک موضوعات پر علمی ظرافت کا رنگ چڑھا کر پیش کیا۔ غرض یہ ادنٰی غیر ظریف موضوعات کے ظریف کردار کا ایک نمونہ ہے جو پسند آجانے پر اور زیادہ مقدار میں پیش کیا جائیگا۔

اس کتاب کا نام "شفاخانہ" علاوہ مضامین کی صحیح نسبت کے اسلیئے بھی رکھا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر غم و الم فکر و پریشانی کے امراض میں مبتلا قوم کو صحت حاصل ہو۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ "شفاخانہ" اوسی گھر کا نام نہیں جس میں آدمی اور اسکی بیوی بیمار ہو کر جاتی ہے بلکہ شفاخانہ اس گھر کا نام ہے جہاں سے انسان موت اور خطرات سے محفوظ اور خوش دل ہو کر نکلتا ہے۔ اس مقدمہ کے بعد "گلابی اردو"

کے عنوان سے جو "دیباچہ" لکھا گیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ طرزِ تحریر میرا سب سے پہلا طرزِ تحریر ہے جس کے ذریعہ میں ملک میں روشناس ہوا ہوں، اور میرے قدردان بھائیوں اور بہنوں میں ایسے بیشمار بہن بھائی موجود ہیں جو میرے اسی طرزِ تحریر کو پسند کرتے ہیں۔ پس کچھ تو اس طرزِ تحریر کے بقاء اور یادگار کے طور پر اور کچھ ان حضرات کے پاسِ خاطر کے طور پر "گلابی اردو" کا ایک دیباچہ عرض ہے

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ الکریم والسلام علی آلہ واصحابہ اجمعین

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ ہجری اسلامی،

۲۱ دسمبر ۱۹۳۲ء عیسوی۔

ملا رموزی

گلابی اُردو

فیروزی دیباچہ

اماں بعد اے محترم مفت کی کتابیں پڑہنے والو!

کیا مگر اُچک لے گیا شیطان راندا ہوا عقلوں درجہ سوم تمہاری کی کو یا
نہ رہی غیرت بیچ دلوں سیاہ تمہارے کے کہ پڑہتے ہو کتابیں تم مانگ کر
دوستوں بھی محلے والوں سے مگر نہیں شرماتے تم پس قسم ہے اس بے شرمی
تمہاری کی کہ گالیاں دیتا ہے تم کو پیچھے تمہارے وہ شخص کہ مانگ کر لاتے
تم کتاب جس سے پس اگر باقی ہے بیچ دل و دماغ تمہارے کے
حرارت اے گرمی غیرت کی تو خود خرید کر پڑہا کرو تم کتابیں موافق
پسند اپنی کے کیونکہ البتہ تحقیق ہے یہ کام بُرا پس دور ہو تم اوس سے
اور جو نہیں سکتے ہو یا نہیں سکتی ہو تم خریدنا مبلغ کتاب کا بہ سبب
افلاس اپنے کے تو صبر ہی بہتر ہے واسطے تمہارے کیونکہ نہیں ہے

اور البتہ تحقیق نہیں ہے ضروری یہ کہ فروخت کیجائے غیرت بدلے کسی
کتاب کے جیسی کہ فروخت ہو رہی ہے غیرت اور حیا ہندوستانیوں
کی ذریعہ سے نئے تمدن اور نئی تھذیب کے۔ پس کیا نہ دیکھا تونے لئے
شاگردنیک بخت کہ چلتی ہیں اور اوپر سڑکوں ٹھنڈی کے ہندوستان
زادیاں اوٹھا کر سینہ اپنا ساتھ طریقوں یورپ کے مگر یہ کہ بے خبر ہیں وہ
رسوائی اپنی سے مگرائے عجب ماں باپ ایسی مسماتوں کے۔
پس تحقیق کہ نہیں ہے یہ دیباچہ ہذا اگر ملا ہوا اوپر نکتوں چند اور
اوپر چٹکلوں چند کے، اگر سکو تم کرنا غور کا اندر نکتوں اس کتاب اور
اندر ناچ مس زبیدہ جان۔ پاؤڈر لگا کر ناچنے والی کے کہ تحقیق یہی ہے
اور لاجرم بھی ہو وہ کتاب بیچ زبان اردو کے کہ صحیح ہے عبارت اس کی
ازروئے قواعد زبان کے بھی باوصف ہونے اسقدر موٹی کے خالی ہیں سطریں
اسکی بے ضرورت الفاظ اور جملوں انگریزی سے جس طرح خالی ہوا کرتی ہیں
وعدے اور اقرار دولت مندوں کے یا جیسے خالی ہوتے ہیں طلبہ اکثر
اس زمانے کے مردانہ شجاعت سے یا ڈاکٹر لوگ ہمدردی اور مروت سے یا
جس طرح خالی ہوتے ہیں اکثر پیر اور صوفی اس زمانے کے کرامت اور

نفع پہونچانے سے یا ایڈیٹر اخباروں اردو کے علوم سیاست اور اصول اخبار
نویسی سے یا بی، اے، ایل، ایل، بی، لوگ صحیح اردو لکھنے سے بھی، موافق
قول حکیم بزرجمہر کے یہی ہے وہ کتاب ہذا کہ پڑہنے اس کے سے پیدا ہوتی ہر
ہوائی اُمنگ، ترنگ بھی خوشی اور ہنسی اندر آدمی بھی مسماة کے پس اگر ہو تم
رکھنے والے عقل سلیم اور مذاق علمی کے تو خریدار پہونچاؤ ہم کو اس کتاب کے تا
کثرت زیادہ کے تا دن حشر کے نجات پاؤ تم تعزیرات ہند اور پریس ایکٹ
سے بھی محل موتیوں کے ملیں تم کو بھی مسماة تمہاری کو بیچ دہلی کے، کیوں کہ
ہم ہیں بڑہاپے پنڈت مالوی اور مولانا شوکت علی صاحب کی
جب لطف اوٹھاتے ہو تم کتاب سے مُلّا رموزی کی تو لطف پہونچاؤ تم
خریداروں زیادہ سے مُلّا رموزی اپنے کے کو۔
اب کیا کیا خوبیاں مُلّا رموزی بھی کتابوں اوس کے کی جھٹلاؤ گے؟

بخار

دیوبندی فرمائش کے مضمون نگار ہر مضمون کو جب ابتدا سے شروع کرتے ہیں تو پہلے از روئے لغت و بلاغت اس کے معانی و مطالب سمجھاتے ہیں پھر کہیں اصل مضمون شروع کرتے ہیں لیکن علی گڈھ والے اسے لغویت کہتے ہیں اور ابتدا ہی سے اصل قصہ شروع کر دیتے ہیں بعض مضمون نگار اپنا مضمون شروع کرتے وقت منطق و فلسفہ کے موٹے استعارے' اور اور مصطلحات استعمال کرتے ہیں اور عوام اس کے فوائد سے ایسے ہی محروم رہ جاتے ہیں جیسے ہم اور آپ ہندوستان کی خام پیداوار سے، مگر ہم ان سب کے خلاف ہیں اور آج کل مسلمانوں کا شعار زندگی ہی اختلاف ہے، لہذا جان جائیے کہ ہم قدرے دیوبندی مضمون نگاروں کے مقلد ہیں اس لئے آج ہم پہلے اپنے مضمون کے قدرے معنی سمجھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بخار کے معنی ہیں یکایک جامۂ انسانیت سے باہر ہو جانا۔ ایسی حرکتیں کرنا جو عوام و خواص کے نزدیک مضحکہ انگیز ہوں، مثلاً دن رات چارپائی پر پڑے رہنا۔ اچھلنا کودنا، چلانا، ایک دم چپ سادہ لینا، پھر چلانا، اودھم کرنا، ہائے ہائے کرنا، اللہ میاں کو بہ کثرت پکارنا، توبہ کرنا، لحاف پر لحاف

وڑہے چلا جانا، کم کھانا، زیادہ پینا اور بیوی بچوں کو دیکھنا اور رونا اِس قسم کی علامتیں جس میں پائی جائیں سمجھ لو کہ یہ بخار میں مبتلا ہو گیا ہے، اب زروئے طب یونانی جس قسم کے بخاری آج کل پائے جاتے ہیں ان کے نمونے لاحظہ ہوں ....

.... یہ بخار والے

دیا ئے صفت کے ساتھ جو بخاری کہا ہے تو اس سے شہر بخارا کے وہ بخاری راد نہیں ہیں جو علوم عربیہ پڑھنے کے لئے ہندوستان سے مرکر ہی وطن واپس باتے ہیں اور کبھی تکمیل نہیں ہونے پاتی، بہرحال بخاری سے مراد بخار میں مبتلا ہونے والا یا ہونے والی ہے اگر اس میں کوئی علمی غلطی ہو تو اسے کاتب لی غلطی سمجھئے۔

ادشاہوں کا بخار بفضل ایزدی یورپ بہ استثنائے حکومت تندرست تر کی جس قدر بادشاہ لوگ ہیں انہیں ایک مرتبہ بخار ضرور آتا ہے مگر ان لوگوں کو بخار سے اس وقت تک صحت نہیں ہوتی جب تک کہ یہ لوگ تبدیل آب و ہوا نہ کریں اور تبدیل آب ہوا صرف یورپ ہی میں ہوتی ہے، یورپ کی اس آب و ہوا کی شفابخشی پر دہلی کے "بڑے حکیم جی" بہت حیران ہیں کہ جو گیا

صحت یاب ہو گیا یہ کبھی نہیں سنا کہ ایک دیسی بادشاہ صاحب یورپ ہی میں دھرے رہ گئے، الّا مہاراجہ گوالیار سو وہ بھی اپنی غلطی سے فرانس چلے گئے تھے سنا ہے کہ دیسی رئیسوں کے لئے یورپ کے دفتر خارجہ میں اچھے اچھے نبض شناس موجود ہیں! ان لوگوں کے مصارف علاج، رعایا ٹیکس دینے والے اور کاشتکار ادا کرتے ہیں جو کوئی مضائقہ کی بات نہیں،

امیروں کا بخار امیروں کو بخار آتے ہی ان کی کوٹھیوں میں سناٹا طاری ہو جاتا ہے جہاں حضور نے کروٹ لی کہ یوروپین ڈاکٹر حاضر ہو گیا ان کے بخار کی ابتدا ایک ہزار روپیہ یومیہ فیس والے ڈاکٹر سے ہوتی ہے اور انتہا دس ہزار روپیہ فی گھنٹہ فیس والے ڈاکٹر پر یہ لوگ یونانی دواخانہ دہلی کی دواؤں کو اتنا ہی غیر شائستہ سمجھتے ہیں جتنا یورپ والے سوراج کے لئے آپ ہندوستانیوں کو غرض بخار کی ہر حرکت میں انگریزوں کی حرف بہ حرف نقل کرتے ہیں، لیکن جب ڈاکٹری تشخیص "آپریشن" پر مجبور کرتی ہے تو پھر آہستہ سے دہلی والے "بڑے حکیم جی" کا پٹنٹ استعمال کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں، امیروں کے بخار آنے سے ان کی "عورت ذات" روتی چلاتی نہیں، البتہ فقیروں کے نام سے ان کی ملازمت

خوب پلاؤ کھاتے ہیں "صدقے کے بکرے" ذبح ہوتے ہیں پیروں کے نذرانے دیئے جاتے ہیں اور مستحقین بھوکے مرتے رہتے ہیں، امیروں کا بخار اکثر تاش کھیلنے اور گھوڑ دوڑ، وغیرہ سے بھی جاتا رہتا ہے۔

لیڈروں کا بخار ہندوستانی لیڈروں کو کافی چندہ جمع کر لینے کے بعد بخار ضرور آتا ہے ان لوگوں میں بخار آنے کو کہتے ہیں "کام کرتے کرتے صحت خراب ہوگئی ہے" اور جوں ہی کہ صحت خراب ہوئی ان کو ڈاکٹروں نے تقریر بند کر دینے کا مشورہ دیدیا اور منصوری یا شملہ تو ویسرائے ہند کے ڈر سے جاتے نہیں البتہ اگر چندہ کافی ہے" تو یورپ ضرور جاتے ہیں ورنہ "کشمیر" اور اگر شدھی کا بھی زور رہا تو اکثر لیڈر کسولی بھی جایا کریں گے لیڈروں کو بخار آتے ہی اردو اخبارات کے صفحات سیاہ ہوتے رہتے ہیں روزانہ ان کی سابقہ خدمات کے تذکرے ہوتے ہیں "رفتار صحت" شائع ہوتی ہے۔ بیمار لیڈروں کو اخبارات "صاحب فراش" کہتے ہیں جسے ہندو اخبار پڑھنے والے "فراش" پڑھتے ہیں ان لوگوں کا جسم بھی تولا جاتا ہے، اس موقع پر وہ بولیں کہ کیا لیڈروں کے وزن کے ساتھ ان کی ایماندارانہ قومی خدمات بھی تولی جاتی ہیں؟ اس پر ہم ذرا جھنجھلا کر

دیکھو جی تم ہو "صنف نازک" تمہیں اس قسم کے سوالات کا کیا حق ہے
ان کی حالت اخبارات میں ہمیشہ "رو بہ صحت" رہتی ہے یہ کبھی نہیں
کہ آج تو ختم البتہ کبھی کبھی "حالت نازک" ہو جاتی ہے اور جو کبھی بیمار
لیڈر صاحب ہوئے قوم کے مسلمان تو بس پھر حالت نازک ہوتے ہی
تمام مساجد میں دعائے صحت کے لئے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور چلا چلا کر اللہ
دے اور بندہ لے اس موقع پر وہ پھر بولیں کہ یہ مسلمان مرد جلسوں میں
ہماری طرح بات بات پر رویا کرتے ہیں ؟ ہم نے کہا کہ لیڈر خود رو رو کر
تقریر کرتے ہیں اور اسی کو کامیاب تقریر سمجھتے ہیں ۔

افسروں کا بخار یوں تو خدا ہر ہندوستانی کو غلام ہی رکھے کیونکہ اس کا افسر
ہونا اس کے ہم قوم ماتحتوں کے لئے قیامت سے کم نہیں بڑی مصیبت یہ ہے
کہ پچاس روپلی کا ہندوستانی ملازم بھی خود کو افسر سمجھتا ہے لیکن خصوصیت
سے خدا مسلمانوں کو مسلمانوں کا افسر تو کبھی نہ بنائے کیونکہ خیر سے ہندوستانی
مسلمان کا دماغ افلاطون کے دماغ سے کسی طرح کم نہیں ہوتا ہے اگر کوئی
ہندوستانی افسر صاحب بیمار ہو گئے یا حرارت ہی ہو گئی تو بس آپ کی
بیمارداری کے لئے تمام عملۂ ماتحت کو ہڑتال کرنا پڑتی ہے جس ماتحت کو

دیکھئے آپ کے دولت کدہ پر خیریت دریافت کرنے حاضر ہے اور اگر کوئی خدا کو رازق سمجھنے والا حضور کے دولت کدہ پر حاضر نہ ہوا تو سمجھ لو کہ افسر صاحب کی نظر میں اس کے برابر گستاخ، نمک حرام، کام چور اور نا اہل کوئی دوسرا نہیں ہمارے ایک دوست نے تجربہ کیا کہ افسر صاحب کی بیماری میں مستعدی سے ان کے پاؤں داب دئے دوسرے ہی مہینہ اُن کا اضافہ کر دیا گیا، غرض ان کی بیماری کی تمام خانگی خدمات سرکاری اہل کار اور چپراسی انجام دیتے ہیں یہ ایک ہی دن کے بخار میں اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ ماتحتوں سے سیدھی طرح بات نہیں کرتے جبھی تو خدا ان ہندوستانی گنجوں کو سوراج کے ناخن نہیں دیتا۔

بچوں کا بخار اللہ عمر دراز کرے ہمارے ننھے میاں کی عمر کے بچے بخار سے اتنے ہی بے پروا ہوتے ہیں جتنا یورپ والے مشرقی ممالک کو آزادی دینے سے لہذا جب بچوں کو بخار آتا ہے تو صرف ان کا منہ لال ہو جاتا ہے گا کھیلتے ہی پھرتے ہیں البتہ ان کی والدہ کا برا حال ہوتا ہے چنانچہ ادھر بخار آیا اور اُدھر اس کی ماں نے اس کے باپ پر مصیبتوں کا پہاڑ توڑ دیا، ہوا کہ جاؤ حکیم کو لاؤ، ڈاکٹر کو لاؤ، بڑے مولوی صاحب کو لاؤ، پیر صاحب

تعویذ لاؤ، بکرا ذبح کرو، نیاز دو، فاتحہ پڑھو، ادھر اللہ میاں سے کہنا شروع کیا اگر میرا بچہ اچھا ہوگیا تو، نفل پڑھوں گی، روزے رکھوں گی مساکین کو کھانا کھلاؤں گی، وغیرہ اب اگر ان تمام باتوں میں سے کسی ایک کے متعلق شوہر صاحب نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو پھر قیامت ہے۔ رات بھر بچہ کو گود میں لئے بیٹھی ہیں، کبھی روتی ہیں تو کبھی دعا کرتی ہیں۔ اب اگر کہیں دن بھر کی ملازمتی تھکن سے شوہر صاحب ہو گئے تو اودھم مچا دی۔ گو صبح کی ٹھنڈی ہواؤں سے خود چراغ پا ہوکر رہ جاتی ہیں، مگر رات بھر تمام گھر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، گویا ایک بچہ کو بخار نہیں آتا تمام خاندان بخار میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

طلبہ کا بخار ۔ طلبہ کا بخار نہایت پرلطف ہوتا ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں دس برس سے بیس برس کی عمر تک روزانہ بخار آنے کی تمنا ہر طالب علم کے دل میں خود بخود پیدا ہوتی ہے خصوصاً مدرسہ کے اوقات میں نہایت پابندی سے بخار آتا ہے اور اگر بے رحم والدین نے اس حالت میں بھی مدرسہ بھیج دیا تو پھر طالب علم درجہ میں بیٹھتے ہی نہایت اہتمام سے کراہتا ہے ہاتھ کو رومال سے سر کو باندھ لیتا ہے، بخار کے ساتھ ہی سر میں درد، پیٹ میں درد، اور ہاتھ پاؤں میں درد ضرور ہوتا ہے کیونکہ درد کسی ماسٹر کو نظر نہیں آتا ہے۔ لہذا

جہاں چاہا درد بتلا دیا، خاص کر ریاضی اور دینیات، کے گھنٹوں میں درد حد سے گزر جاتا ہے مگر ہاکی اور فٹ بال کے وقت طاعون کے طلبہ بھی تندرست ہو جاتے ہیں۔ البتہ تعلیم کا گھنٹہ شروع ہوتے ہی طالب علم منہ بسور لیتا ہے اُسے اُبکائی پر اُبکائی آتی ہے۔ آنکھیں مل مل کر سرخ کر لی جاتی ہیں، جمائی پر جمائی لی جاتی ہے، یہاں تک کہ ماسٹر تنگ آکر چھٹی دیدیتا ہے اور طالبعلم صاحب اسکول کی عمارت کے سامنے تک نہایت ضعیف رفتار سے چلتے ہیں گویا آپ کو چکر آرہا ہے، لیکن جوں ہی کہ اسکول کی عمارت سے آگے بڑھے کہ قہقہہ لگایا اور بخار جاتا رہا گویا ماسٹر کو بے وقوف بنا لیا، ایسے بخار میں لاڈ پیار کرنے والے ماں باپ سے یہ بخاری طالب علم سائیکل، جوتا، موزے اور فیشن کی ہر چیز آسانی سے وصول کر لیتے ہیں۔

ہمارا بخار اسلامی عقیدہ ہے کہ خدا اپنے محبوب بندوں کو بیمار کر کے اِن کے گناہ اور بلائیں کم کر دیتا ہے دوسرے یہ کہ بیماری اصل میں انسان کے جسم کی زکوٰۃ ہے، لہذا اس حساب سے ہر مسلمان کو جسکی ہمارے سوا کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ ضرور بیمار ہونا چاہئے آپ کاہلی نہ سمجھیں تو ہم کہے دیتے ہیں کہ دنیا میں اگر ہم کسی کام کو بد ترین کام سمجھتے ہیں تو وہ غسل کرنا ہے اور اسی لئے

ہم بجز عیدین کے کبھی نہیں نہاتے کیونکہ اس میں علاوہ پانی کے اصاف کے وقت بھی تو ضائع ہوتا ہے۔ مگر بُرا ہو اس موسم گرما کا کہ ۱۰ر جون ۱۹۲۸ء کی دوپہر کو بے دم کر دیا، ادھر قوم کی ظالمانہ قدردانی اور منافق دوستوں کی دراندازیوں سے خس خانہ بھی باقی نہیں ہے۔ لہذا چاروناچار غسل جو کیا تو لُو لگ گئی صبح جو بستر سے اُٹھنا چاہا تو اکڑے ہوئے تھے، تنگ آکر لیٹے ہی لیٹے کلمہ شریف پڑھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد حرارت شروع ہو گئی، حرارت میں یہ ہوتا ہے کہ اچھا خاصا انسان خواہ مخواہ اکڑنے لگتا ہے جمائیاں بہ کثرت آتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہات پاؤں بھی جب اونچے نیچے ہونے لگے تو ہم نے اُن سے کہا کہ

"دالان میں چارپائی بچھا دو اور لحاف اوڑھا دو کیونکہ ہمیں بخار آنے والا ہے"

وہ بولیں نہیں تو وہم ہو گیا ہے جاؤ باہر چبوترے پر جا بیٹھو ذرا دل بہلاؤ تو مگر دل ذرا نہ بہلا اور ہات پاؤں مٹکاتے ہوئے پھر گھر میں آگئے اور کہا کہ چادر اڑھا دو، پھر کہا لحاف اُڑھا دو، پھر کہا دوسرا لحاف، پھر تیسرا لحاف، پھر چوتھا پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر ساتواں پھر آٹھواں، پھر نواں، یہ گویا تمام عزیزوں کے

لحاف تھے جو ہمارے اوپر ڈال دیئے گئے مگر سردی کم نہ ہوئی تو وہ بھی ہماری
اوپر لد پڑیں مگر کپکپی کا یہ حال کہ جاتی ہی نہ تھی یہاں تک کہ اب ہمیں خبر نہیں
کہ ہم کہاں گئے آنکھ کھلی تو کہا سیلا بچی لاؤ اور اب غوغو کرنا شروع کر دیا جسے
عرف عام میں استفراغ کہتے ہیں" اس کے بعد کہا "ارے رے" اُف رے
اللہ رے یا اللہ، یا خدا، توبہ، توبہ ہے توبہ، ہائے رے" کہ پھر اب جو آنکھ
کھلی تو دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں۔ مگر ہم نے اُنہیں روتا دیکھ کر پھر آنکھیں اب
جو کھلی تو ایسا معلوم ہوا کہ لاہور کے ہندو مسلم فساد میں کسی سکھ نے ہمارے
سر میں کرپان مار دی ہے اور سر ہے کہ مارے درد کے اُٹھایا نہیں جاتا، کبھی
ایسا معلوم ہوتا کہ بغیر اجرت بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے جسم چور ہو گیا ہے کہ پھر اب جو
آنکھ کھلی تو ایسا معلوم ہوا کہ دہلی میں قیام امن کے لئے پولیس خواہ مخواہ گولی
چلا رہی تھی اور ہماری دونوں ٹانگوں میں گولی لگ گئی ہے لہذا ماری درد کے
لگے چارپائی پر پاؤں مارنے کہ پھر، اب جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ بیٹھی پاؤں
داب رہی ہیں اس وقت معلوم ہوا کہ غریب گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنے
سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے ورنہ اس وقت اگر ہوتی کوئی گرلس اسکول کی تو
جھولے پیا کرسی بیٹھی رہتی اور خادمہ کو حکم دیتی کہ پاؤں دابو کہ یکایک نیچے میاں نے

چیخ ماری اور اُنہوں نے ہمارے پاؤں چھوڑ کر ننھے میاں کو گود میں لے لیا کیوں کہ ننھے میاں کو آشوب چشم کا عارضہ تھا، اور گو ہم نے پھر بھی ٹانگیں ماریں، خوب شور مچایا مگر اُنہوں نے ننھے میاں کے مقابل ہماری طرف دیکھا بھی نہیں کہ پھر، اب جو آنکھ کھلی تو دین دنیا کی راحت حضرت والدہ محترمہ سرہانے بیٹھی ہیں مگر بے حد ملول و آبدیدہ، گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیے صرف دعا کا محتاج ہوں کہ پھر، اب جو آنکھ کھلی تو محترمہ ممدوحہ نے فرمایا کہ بیٹا گھبراؤ نہیں تمہیں بخار ہے کہ ہم پھر، اب جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ عزیز ہمشیرہ اور قبلۂ دو جہاں والد صاحب بھی تشریف لے آئے ہیں کہ ہم پھر اب جو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ یہ تمام سرپرست اور شفیق و مہربان دعائیں کر رہے ہیں کہ ہم پھر، مگر فوراً ہی سنبھل کر کہا کہ ہمیں تکیہ کے سہارے سے بٹھا دو اس وقت بخار کی شدت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اور ہمارے حواس، بس بیٹھتے ہی ہم نے وہ دھواں دھار تقریر شروع کر دی جو شدید بخار کی حالت میں ہر لیڈر، مدبر، فلاسفر، اور اڈیٹر کرتا ہے عنوان تقریر تو صرف اتنا تھا کہ۔

"ہم اچھے ہو جائیں گے آپ حضرات گھبرائیں نہیں مگر الفاظ کی شوکت، ترتیب، ترصیع اور بندش کی تعریف پڑھنے والوں

ہی کو معلوم ہے اور گو تقریر ہم نے کی تھی مگر خود ایک لفظ یاد نہیں ہا
البتہ ہماری وہ تقریر جسکو اُنھوں نے کسی قدر قلمبند کیا تھا
یہ ہے، مثلاً ہم نے یکایک کہا:۔

پانی لاؤ، لاؤ، لاؤ، لاؤ، لاؤ، جب پانی دیا تو کہا کہ آمیں
پیاز کا بگھار کیوں نہیں دیا؟

ان جملوں کو عنوان کی تقریر سے ملاتے جائیے دیکھئے کسقدر ربط و مناسبت ہے
پھر کہا جی ہاں، جی ہاں بہت اچھا حاضر ہوا حالانکہ اس وقت ہمیں کسی نے
واز نہیں دی تھی، پھر کہا ٹوپی لاؤ ٹوپی جج کا وقت جارہا ہے، عمر گزر گئی،
لنڈن اور پیرس جانے کے سوا مکۂ معظمہ کا کبھی خیال بھی نہیں آیا اور نہ آج
ل کے مسلمان امیروں کو آتا ہے مگر پھر کہا ارے بھائی تانگہ لاؤ ورنہ حج
ہو جائیگا، پھر کہا نہیں نہیں مضمون غلط چھپا ہے غلط پھر کہا سو روپیہ فی صفحہ
ین گے سو روپیہ حالانکہ اردو کا ایک رسالہ بھی نہیں جو ایک روپیہ فی صفحہ
معاوضہ دیتا ہو سب کے سب "براہ کرم" ہی طلب فرماتے ہیں، پھر اس
انگریز کو سامنے سے علیحدہ کرو خدا معاف فرمائے یہ ہمارے بڑے سالے
صاحب تھے اور اسی لئے وہ بعد صحت بہت خفا تھیں اور کہتی تھیں کہ تم

بخار میں بہت بکتے ہو اور اب دیکھنا اس مضمون کو پڑھ کر وہ اور بھی آگ بگولہ
ہو جائیں گی کہ ہم نے ظاہر بھی کر دیا پھر کہا وہ منی آرڈر والا آگیا خدا سمجھے افلاس
میں ایسی ہی سوجھتی ہے غرض اس تقریر کا وہ زور رہا کہ الامان، مگر آخر میں کہا
لا الٰہ اشہد ان اللہ استغفر اللہ مگر یہ الحافظ قبلہ دام ظلہ کی ڈانٹ کا نتیجہ تھے
ہمارے اسلام دوستی کا اثر نہیں کہ ہم پھر، اب بخار نے اپنی آخری شدت اختیار
کرلی کہ یکایک قارورہ کی حاجت ہوئی اور ہم لحاف پھینک کر اُٹھے اب جو
قارورہ کے لئے چوکی پر جاکر بیٹھے تو اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ شدید
بخار کی حالت میں قارورہ کرنے میں جو لطف آتا ہے اسے بخار والے ہی کچھ خوب
جانتے ہیں خیر وہ اُٹھا کر لائیں اور ہم چارپائی پر آتے ہی پھر، اب جو آنکھ کھلی
تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبلۂ محترم حکیم حاذق مولوی ضیاء الحسن صاحب ہمارا ہاتھ
پکڑے بیٹھے ہیں، ہم نے ادب سے سلام کیا۔ قبلہ موصوف نے ہمارے علمی
دماغ اور علمی مزاج کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت مختصر نسخہ تحریر فرمایا
لیکن جب عطار کے ہاں سے یہ نسخہ لایا گیا تو بے مبالغہ ایک سپاہی کا فوجی
راشن تھا، تیار ہوا تو کوئی نصف سیر پانی تھا جسے اللہ شافی اللہ کافی کہکر
انہوں نے پلایا تو کیا پیٹ میں بھر دیا حکیم صاحب قبلہ نے ازراہ مرحمت

حکیمانہ چلتے وقت ہمارے لئے دنیا کی تمام غذائیں حرام کر دیں صرف دلیا اور کھچڑی حلال فرما گئے یہ بھی فرمایا کہ ذرا لحاف میں دب کر پسینہ لے لو جس کی تعمیل فوراً کرائی گئی اور چار لحاف شروع ماہ جون کے جہنمی موسم میں ہمارے اوپر ڈالدیئے گئے اب جو دم گھٹنے لگا تو ہم نے کوشش کی کہ قدرے چہرہ باہر نکال لیں کہ جھک کر بول ہی اُٹھیں کہ "دیکھو دیکھو پسینہ میں لحاف الگ نہ کر خدانخواستہ اگر ہوا لگ گئی تو پھر کیا ہوگا" خیر صاحب بقول کسی شاعر کے غصہ فقیر کا اوپر جان فقیر کی کے چپ سادھے پڑے رہے اور جب پسینہ میں نہا گئے تو انہوں نے پسینہ خشک کیا اور اب طبیعت بحال ہوئی۔

اب بھوک کا یہ زور کہ تمام دنیا کے کھانے اُڑانے کو طبیار مگر وہاں حکیم صاحب کے دلیئے کے سوا کوئی چیز جائز نہیں دلیا کھایا ہی تھا کہ جاڑا شروع ہوا اور ہم پھر، کہ اُنہوں نے ہمیں ہوشیار کر کے کہا دیکھو کوئی آواز دے رہا ہے اب یہ محلہ والے عیادت کو آنا شروع ہوئے پردہ کرایا اور کھا آجائیے یہ محلے کے ایک بزرگ تھے آتے ہی ہم ایسے بخار زدہ مریض سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کیوں کیسی طبیعت ہے ؟ کل تو تم اچھے تھے، کیا لو لگ گئی ہے خیر جاتی رہے گی، کہ دوسری آواز آئی اُنہیں بھی اندر

بلا لیا گیا تو آتے ہی بعد سلام مسنون آنکہ اُنھوں نے ہماری نبض ملاحظہ فرمائی
کہ تیسری آواز آئی یہ بھی گھر میں آئے ادھر تو عیادت والوں کی آمد اُدھر
گھر کی تمام عورتیں کمرہ میں بند اور مارے گرمی کے آفت میں مگر عیادت والوں کا
سلسلہ ترقی پذیر تھا ہمارا ضعف کے مارے بُرا حال مگر ارباب عیادت ہم سے
جو سوالات ہو رہے تھے وہ اس طرح کہ۔

کوئی نبض دیکھتا ہے، کوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ کرتا ہے
ایک صاحب نے فرمایا کیوں مولنٰنا کیا حال ہے پھر فرمایا اماں تم بھی اتنی
سی بخریہ میں لیٹ گئے۔ ہم تو تمہاری عمر میں ایسے بخار کو خاطر میں بھی نہیں
لاتے، اچھا تو یہ بتلاؤ بخار کب سے آیا ہے، جاڑے سے آتا ہے؟ متلی
تو نہیں ہوتی سر میں درد ہے؟ کھانسی تو نہیں ہے؟ پسینہ آتا ہے یا نہیں
کس وقت اُتر جاتا ہے؟ منہ کا ذائقہ کیسا ہے، بھوک بھی معلوم ہوتی ہے
یا نہیں؟ مگر یہاں ضعف سے یہ حال کہ، مگر اُنھوں نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر زور سے
ہلایا اور فرمایا مولانا، مولانا، او مولانا، بولو تو، ہوشیار تو ہو، دیکھو یہ کون
کون بیٹھا ہے۔ اچھا تو بتاؤ یہ کرسی پر کون بیٹھا ہے؟ کیا دل گھبراتا ہے۔
غرض سوالات کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بنگال کی کسی بغاوت

کے مقدمہ میں بحیثیت سلطانی گواہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور دس بارہ وکیل ہم سے جرح کر رہے ہیں، خیر یہاں تک بھی معاملہ غنیمت تھا مگر اب عیادت والوں نے ایک اور ستم ڈھایا، ایک صاحب بولے۔

"ہاں بھائی علاج کس کا شروع کیا ہے؟ ہم نے حکیم صاحب کا نام بتلایا تو اونھہ کہکر حکیم صاحب پر اعتراضات شروع کر دیے اور ایک دوسرے حکیم صاحب کے علاج کی تعریف شروع کر دی ایک صاحب بولے کہ میاں تم تو علاج ولاج چھوڑو بس آم کا شربت پی لو تمام شکایتیں جاتی رہیں گی ایک صاحب نے تو ہماری حجامت ہی بنا ڈالی۔ فرمانے لگے مولانا گرمی بہت ہے آپ یہ سر کے بال اسی وقت منڈوا دیجئے"

غرض عیادت کیا تھی خاصا جلیان والہ باغ کا انگریزی مارشل لا تھا جس میں سب کچھ گزر گئی اسی طرح کوئی ایک ہفتہ بخار میں مبتلا رہے نصف تنخواہ رخصت میں وضع ہو گئی، دس روپیہ عطار کے قرض ہو گئے عیادت والوں کی خاطر میں کوئی پانچ روپیہ کی پان چھالیہ خرچ ہوئی تین روپیہ حکیم صاحب کے تانگہ کے دیئے بیس روپیہ فیس میں گئے والدین اور انھوں نے زور کر

آنسوؤں کے دریا بہا دیئے معاوضہ کے مضامین نہ لکھ سکے، بارے فضل خدا اب صحت یاب ہوگئے مگر ہماری قوم کو اتنا ہی غم ہوا کہ

"عرصہ سے ملا صاحب کا کوئی مضمون نہیں دیکھا اور بس؟

اگر یورپ کا کوئی مضمون نگار ہوتا تو قوم اس کے تمام مصارف خود ادا کرتی" یوں بیمار ہوا کرتے ہیں ہندوستان کے غربا، دعا ہے کہ خدا ہمیں ہمیشہ تندرست رکھے اور یہ جس قدر انگریز یورپ والے ہمیں تہذیب سکھانے کے لئے ہندوستان میں پڑے ہیں خدا کرے انھیں ایک ایک سال ایسا ہی بخار آئے +

کھانسی

بیماری، مرض، علالت، ناسازئ مزاج، وغیرہ الفاظ انسان کی اس حالت کے اظہار کے لئے خاص ہیں جب اس کی عام صحت میں کوئی تغیر واقع ہو جائے اور وہ بجائے دفتر جانے کے شفا خانے جانے لگے، یا وہ ملا رموزی کی کتابوں کا پارسل منگانے کے عوض "دواخانہ یونانی دہلی" کے پارسل منگانے لگے، یا وہ اچھا خاصا "تعلیم یافتہ" اور عقلمند ہونے پر

بھی یکایک جامۂ انسانیت سے باہر ہو کر جانوروں کی سی حرکات کا مرتکب ہونے لگے"
یا وہ دوستوں کے گھر جانے کی جگہہ حکیم صاحب کے مطب میں بیٹھ کر کہے کہ "افو
حکیم صاحب اب تو مجھ سے مارے درد کے بیٹھا نہیں جاتا تو سمجھو کہ وہ بیمار
ہو گیا ہے۔

لیکن بیماری کے ساتھ ہی زبان اردو میں کسی ایسی عادت کو بھی بیماری
کہتے ہیں جو اعتدال اور معقولیت سے ذرا ہٹ کر ایک مستقل اور مسلسل
فعل کی صورت اختیار کرے، مثلاً کسی افیونی آدمی کا ہمیشہ گردن نیچے
کر کے بات کرنا' دوا کے قابل بیماری تو نہیں مگر اصطلاحی بیماری ضرور ہے
یا کسی تانگے کے گھوڑے کا ہر وقت اپنے مکان کے سامنے چلتے چلتے
رک جانا' بگڑنا' بدکنا' اور سواریوں کا سہم کر کہنا کہ بسم اللہ، بسم اللہ،
ارے بھئی کیا خراب گھوڑا ہے تیرا' تو یہ عادت گھوڑے کی بیماری کہلائے گی
کہتے ہیں کہ بیماریوں میں بیماریاں طاعون' ہیضہ' انفلوانزا' اور
نمونیا' یا پھر مرگی' مراق' مالیخولیا' اور جنون سب سے نمایاں بیماریاں ہیں
مگر ہمارے خیال میں ان سب کو بیماریاں کہنا صحیح نہیں جب ان میں بیماری
یا مرض کی وہ دلفریب ادائیں نہیں جو انسان کو یکایک کچھ سے کچھ بنا دیتی ہیں

بلکہ یہ تمام حالتیں تو انسان کو "خدانخواستہ" بنانے والی ہوتی ہیں اور جس چیز سے انسان ختم ہو جائے اسے موت کہنا زیادہ موزوں ہے۔ نہ کہ مرض یا بیماری، مثلاً آپ کسی کھانسی کے مریض کو لے لیجئے اور اس کے چہرے کو اس وقت دیکھئے جب وہ چند شریف اور ذی اثر لوگوں کے مجمع میں بیٹھا کھانس رہا ہو۔

کھانسی کے وقت انسان پر جو حالت طاری ہوتی ہے۔ اس کی چند صورتیں یہ ہیں۔

بعض حجاب اور غصے کی وجہ سے دل ہی میں کھانس لیتے ہیں، اور کبھی کبھی بہت خفیف سی "اوہنہ اوہنہ" یا اخ اخ یا "اُخو اُخو" کی آواز سننے میں آجاتی ہے۔

۲۔ بعض کے دونوں شانے اٹھ کر کانوں تک آجاتے ہیں جب کھانسی پوری ہوتی ہے۔

۳۔ بعض کی کھانسی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک انہیں مراد آباد کا اگالدان پیش نہ کیا جائے۔

۴۔ بعض کے نزدیک وہ کھانسی ہی نہیں۔ جسکے ترنم کا سلسلہ

مغرب سے صبح کی اذان تک اس طرح جاری نہ رہے کہ ماں باپ تک دعا کریں کہ اسے خدا یا اسے ایمان سے اُٹھالے یا اس کی کھانسی کو بند کر دے۔

۵۔ بعض لوگ کھانسی میں تال سُر اور نغمۂ موسیقی پیدا کرنے کی عادی ہوتے ہیں اور مجال نہیں کہ کھانسی کی کوئی آواز وزن ردیف، قافیے اور بحر سے علیحدہ تو ہو جائے مثلاً اگر کھانسی کا پہلا رکن فعلن فعلن ہے تو کھانسی کی پوری غزل اور اس کا ایک ایک "مصرع" اسی وزن پر ڈھلتا چلا جائیگا بجز اس کے کہ اس غزل کا "کفت آور مقطع" ذرا ہٹ جائیگا، اس قسم کی کھانسی اکثر باپ کی عمر والے لوگوں کو ہوتی ہے بیٹے کی عمر والوں کو نہیں۔ اور اسی لئے اس کا سلسلہ انا للہ والے وقت تک قائم رہتا ہے۔

۶۔ بعض کھانسی کو مارے تاؤ کے منہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور اور گلا گھونٹ کر یوں کھانسنے بیٹھ جاتے ہیں گویا وہ کھانسی سے کہہ رہے ہیں لے اب تو چل۔

اس زور شور کی کھانسی پر خدا ان حکیموں سے سمجھے کہ یہ وہی شنہ قبل مسیح کے زمانے کا "لعوق سپستاں" عطا فرماتے ہیں۔ جس کا نتیجہ بجز اسکے کچھ نہیں کہ جائے جائیے اور کھانسے جائیے، اس کی کھانسی کے

شباب کا وقت اکثر نصف شب سے تہجد کی نماز کے وقت تک رہتا ہے اور یہی وقت گھر والوں اور محلے والوں کے آرام کا مقرر ہے۔"

لطیف کھانسیوں میں کم عمر بچوں کی کھانسی بھی ایک خاص چیز ہوتی ہے مثلاً شب کے سکون بخش لمحات میں جب ان کی کھانسی کا نغمہ شروع ہوتا ہے تو آپ آرام سے سو بھی نہیں سکتے اور انہیں سزا یا بددعا بھی نہیں دے سکتے پھر اس خواب شکن کھانسی پر ان بچوں کا ۷۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رونا چلانا ایک ایسی لطیف اذیت ہوتی ہے جس میں سارے خاندان کو خواہ مخواہ شریک ہونا پڑتا ہے، ان کی کھانسی میں زیادہ لطف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب ان کا علاج حکیموں اور ڈاکٹروں کو چھوڑ کر محلے کی بوڑھی عورتوں سے شروع کرایا جاتا ہے۔ بوڑھی عورتوں کے اس علاج کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ کہ جب وہ ایک جان سے بیزار بچے کی کھانسی کے لئے بتاتی ہیں کہ فلاں درخت کے سبز پتوں کو جلا کر ان کا دھواں اس کی ناک سے گزار دو انشا اللہ ابھی کھانسی بند ہو جائیگی اور تجربے کا جو طبی ثبوت پیش کرتی ہیں وہ یہ کہ میرے بچے کی کھانسی بھی اسی سے بند ہوئی تھی بعض کسی پیر کی قبر پر جلنے والے لوبان کی راکھ کھلانا بتاتی ہیں اور بعض کے خیال میں

کھانسی کا کوئی علاج مفید نہیں بجز اسکے کہ بچے کو چالیس دن تک اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے کہ کھانسی کا زور چالیس دن کے بعد خود بخود گھٹ جاتا ہے۔

ایک کھانسی خاندان کے سب سے آخری بزرگ کی ہوتی ہے اس کھانسی میں متعدد لطائف اور حکمتیں مضمر ہوتی ہیں، مثلاً اس کے ہر وقت موجود رہنے کے فوائد یہ ہیں۔

۱۔ رات کو اس گھر میں چور داخل نہیں ہو سکتے جس گھر میں کوئی بوڑھا رات کو کھانستا رہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اگر چور گھر میں داخل بھی ہو گئے اور یہ کھانس دے تو انہیں عین چوری کی حالت میں فرار اختیار کرنا پڑتا ہے، بوڑھوں کی کھانسی گھر کی بے احتیاط بہو بیٹیوں کے لئے بھی بے حد مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ جہاں بوڑھے نے کھانسا اور گھر کی الھڑ اور بے احتیاط بہو بیٹیاں فوراً ہوشیار ہو گئیں، یہی کھانسی اس بوڑھے کے گھر میں قدم رنجہ فرمانے کا اعلان بھی ہوتی ہے جہاں انہوں نے دروازے پر "اوہنہ" یا "اُخو" یا "اخ" کیا اور تمام عورتیں دوپٹے سنبھال کر بیٹھ گئیں یہ کہکر کہ "لو وہ دادا میاں آگئے" ان دادا میاں کی کھانسی شریر بچوں کے لئے بھی استاد کا کام کرتی ہے۔

جہاں دادامیاں نے ”اُخّو“ فرمایا اور بچے سہم کر بیٹھ گئے یہ کہکر کہ ارے وہ دادامیاں ابھی جاگ رہے ہیں۔

گھریلو کھانسیوں میں سب سے زیادہ شاعرانہ کھانسی نوجوان لڑکیوں کی ہوا کرتی ہے انہیں اگر کھانسی شروع ہو جائے اور گھر میں ایک آدہ مرد بھی بیٹھا ہو تو ان کا مارے حجاب کے بُرا حال ہو جاتا ہے، یہ کھانسی کو روکنے کے لئے بار بار اپنے منہ پر ہاتھ رکھتی ہیں یا مکان کے کسی بند کمرے میں جا کر چھپ جاتی ہیں مگر جب اس پوشیدہ حصے میں بھی کھانسی بند نہیں ہوتی تو یہ کھانسی پر غصہ کرتے کرتے یکایک اس حرکت پر کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہیں یہ کہکر کہ ”آگ لگ جائے بند ہی نہیں ہوتی“

ایک معنی آفریں کھانسی مقرر، واعظ، اور لیکچرار“ کی ہوتی ہے اس کھانسی کے فوائد بھی بے شمار ہیں۔ مثلاً تقریر کرنے والا اپنی تمام کمزوریوں کو کھانسی کے پردے میں چھپا لیتا ہے۔

کھانسی کے وقفے میں وہ آنے والے مضامین کو سوچ لیتا ہے۔ کھانسی کے وقفے میں اسے پانی منگانے کا قانونی حق حاصل ہو جاتا ہے، اور اس عرصے میں وہ سامعین کے خوف کو دل سے کم کرتا جاتا ہے۔ جوں جوں اسکی

کھانسی بڑھتی جاتی ہے اس کے ہاتھ پاؤں کا رعشہ کم ہوتا جاتا ہے، کبھی کبھی وہ اپنی کھانسی میں مسلسل نغمے پیدا کر کے اپنے آپ کو تقریر کے اہم حصوں سے بچا بھی لیتا ہے، یہ کہکر کہ افسوس کھانسی سے مجبور ہوں کل سے بخار بھی ہے وہ تو آپ حضرات کے اصرار پر میں کھڑا ہو گیا تھا۔

گھریلو کھانسیوں میں سب سے زیادہ ذلیل اور شرمندہ کرنے والی کھانسی وہ ہوتی ہے جو کھانا تناول فرمانے کے بالکل بیچ میں بغیر کسی تمہید و تقریب کے عین اس وقت چل جائے جب ایک موٹا سا لقمہ آپکے حلق میں جا رہا ہو اور ابھی جانہ چکا ہو کبھی کبھی اس موقع پر یہ لقمہ حلق سے یوں باہر پھینک دیتی ہے کہ پاس بیٹھا ہوا آدمی اس بدتمیزی پر آپ سے لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے مگر خون کا گھونٹ پی کر چپ رہتا ہے، اور جو کھانسی سے یہ لقمہ باہر آنے کے عوض حلق ہی میں پھنس کر رہ جائے تو پھر کھانسنے والے کا حال دیکھنے کے قابل ہوتا ہے اس قسم کی کھانسی کا لطف اس وقت پورا ہوتا ہے جب آپ کھانسی سے حلق میں پھنسے ہوئے لقمے کو نیچے اتارنے کے لئے پانی کا گلاس بڑے زور اور اطمینان سے اُٹھائیں اور اس میں ایک بوند بھی نہ ہو۔

اسی قسم کی کھانسی سے ملی جلی کھانسی وہ ہوتی ہے جب آپ کسی ذی اثر

بزرگ یا حاکم سے ہمہ تن مصروف ہوکر نہایت ادب سے باتیں کر رہی ہوں کہ یکایک چھالیا کا ایک دانہ آپ کے حلق میں اُتر کر کھانسی پیدا کر دے اس طرح کہ پھر پوری قوت صرف کرنے سے یہ بند نہ ہو۔ پھر دیکھئے اس بزرگ یا افسر کے سامنے آپ کی ندامت کا حال بس جی چاہتا ہے کہ اگر اس وقت یہ کھانسی آدمی بنکر سامنے آجائے تو اسے قتل ہی کرکے رکھ دوں، یا اس بزرگ ہی کو قتل کرکے اپنے سامنے سے ہٹا دوں۔

ایک کھانسی افیونیوں کی ہوتی ہے، اس کھانسی میں اگرچہ کوئی خاص شاعری اور لطافت نہیں ہوتی پھر بھی اگر کسی ہوٹل میں آپ کے برابر بیٹھا ہوا کوئی افیونی چائے پی رہا ہو اور اسے کھانسی چل جائے تو پھر آپ ہی اپنی پیالی کو فی سبیل اللہ چھوڑ کر اٹھ آئیں گے مگر آپ سے اس کی کف اور آواز نہ سنی جائے گی اس لئے کہ اس کی کھانسی کی "اُہوں اُہوں" کا خاتمہ نہایت درجہ تکلیف دہ نتیجہ پیدا کرکے رہتا ہے"۔

ایک کھانسی وہ ہوتی ہے جو شکاریوں کے ذوق کی دشمن ہوتی ہے، اس کھانسی کا زور اسی وقت ہوتا ہے جب شکار کے سامنے آنے کا وقت ہو جائے، آپ چاہیں کہ شکار کے آنے سے قبل دل کھول کر کھانس لیں

مگر وہ تو اسی وقت شروع ہوگی جب آپ چاہیں گے کہ شروع نہ ہو۔ اس وقت اس کھانسی کی روک تھام میں خود شکاری صاحب ایک لطیف سا تماشا بن کر رہ جاتے ہیں اور آیا ہوا شکار بھاگ جاتا ہے۔ اس کھانسی کی بدولت کبھی کبھی شکاری کا حلیہ یوں ہوتا ہے کہ بندوق ہاتھ میں آنکھیں شکار پر اور منہ کے اندر رومال کی گیند"

ایک کھانسی وہ ہوتی ہے جو ریل کے سیکنڈ کلاس میں رات کو وقت چلتی ہے۔ اس طرح کہ برابر سونے والے مسافر گردن اُٹھا اُٹھا کر آپ کو دیکھتے جاتے ہیں اور آپ مارے شرم کے ان کی طرف منہ نہیں پھیر سکتے۔

ایک کھانسی وہ ہوتی ہے جو مشاعرے میں غزل پڑھنے سے پہلے شروع ہوتی ہے یہ کھانسی شروع نہیں ہوتی بلکہ شروع کی جاتی ہے۔ اسلئے کہ شاعر کی خوشامد کی جائے اور سارا مجمع آپ کی غزل کیلئے سراپا اصرار بنجائے اس قسم کی کھانسی لکھنؤ کی طرف زیادہ کھانسی جاتی ہے یا "کھانسا جاتا ہے۔

ایک کھانسی قوال کی ہوتی ہے جو قوالی شروع کرنے سے پہلے کھانسی جاتی ہے اس کا مقصد گانے کے لئے گلا صاف کرنا ہوتا ہے۔

ایک کھانسی غنڈوں کی ہوتی ہے جو کسی راہ گیر کو مخاطب کرنے یا دشمن پر آوازہ کس نے یا اُسے دھمکانے کے لئے کھانسی جاتی ہے یہ کھانسی دکانوں اور بازاروں کے چوراہوں پر کھڑے ہوکر اور ذرا سینہ تان کر کھانسی جاتی ہے اس قسم کی کھانسی پر یہ آجکل کے اسکولوں کے عورت نما فیشن ایبل لڑکوں کو بہت زیادہ تاؤ آتا ہے کیونکہ غنڈوں کی ایک کھانسی اسکول کے لونڈوں کے لئے بھی خاص ہوتی ہے۔

ایک کھانسی جنگل یا رات کے خطرات سے ڈر کر یا خطرات کو دور کرنے کے لئے کھانسی جاتی ہے۔

ایک کھانسی پولیس کے ڈرپوک قسم کے سپاہی رات کو گشت کے وقت کھانستے ہیں۔

اس قسم کی تمام کھانسیاں اگر سمٹ کر ایک ہو جائیں تو ان کا نام "دمہ" رکھدیا جاتا ہے، پھر "دمہ" کے لطائف بجز اسکے کچھ نہیں کہ آدمی نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔

اِن تمام کھانسیوں میں ایک لطافت خیز نکتہ ان کی مختلف اور رنگا رنگ آوازیں ہیں۔ مثلاً کھانسی کی کوئی آواز اس درجہ شاندار اور زوردار

ہوتی ہے گویا کھانسنے والا تمام محلے کے رہنے والوں کو ڈانٹ رہا ہو۔

• بعض کی کھانسی میں اس نوع کا تسلسل ہوتا ہے جس سے زیر و بم اور تال سر کے تمام ضابطے مرتب کئے جا سکتے ہیں۔

بعض کی کھانسی کے درمیان اس قسم کے جھٹکے آتے ہیں جن سے اسکے "مرحوم" ہو جانے کا خطرہ اٹل ہو جاتا ہے۔

بعض کی کھانسی کا آغاز نہایت پُرشور ہوتا ہے مگر خاتمہ اس درجہ خفیہ ہوتا ہے کہ سامع خیال کرتا ہے کہ وہ اب کھانس چکا مگر ہوتا یہ ہے کہ کھانسی کی آواز بعد میں اسکے گلے سے اتر کر پیٹ میں جا کر کھانستی رہتی ہے یہ خصوصیت بوڑھوں اور افیونیوں کی کھانسی میں پائی جاتی ہے۔

بعض کی کھانسی اس رنگ کی ہوتی ہے کہ اسے سنکر کہنا پڑتا ہے کہ یہ شخص کھانسی کو نہیں کھانس رہا بلکہ کھانسی اسے کھانس رہی ہے۔

اب اگر ان کھانسیوں کے سوا کسی صاحب کو کوئی اور کھانسی ہو تو وہ براہ کرم مُلا رموزی کو مطلع فرمائیں، یا براہ راست اس کی پاس آکر سنا جائیں

منقول از رسالہ "ادیب پشاور"

زکام

وہ رسالہ "عالمگیر" کے "تصویر بخش" و تصویر کش حکیم قبلہ فقیر محمد صاحب
ہی سے دریافت کیجیے تو پچاس بُرائیاں، خرابیاں، تباہیاں۔ اور ہلاکیاں
بیان فرما دیں گے مرض زکام کی، اور جو طبی کتابوں میں اس مرض کی ہلاکت
آفرینیاں پڑھیے تو جی چاہے گا کہ گریبان چاک کر کے اب جنگل کی طرف ہی نکل
جائے۔ لیکن اگر حقیقی ماں باپ اور بیوی بچوں سے لیکر عوام و خواص تک سے
اس مرض کا تذکرہ کیجیے اس کی تکالیف بیان کیجیے تو آپ کو اُلّو اُلّو، خبطی
بزدل اور انگریزی میں "نان مرد" کہہ کر آپ کا خوب مذاق اُڑائیں گے
اور اب عوام و خواص کے اس جہل سے یہ حکیم اور ڈاکٹر تک یوں متاثر ہو چکے ہیں
کہ اگر ان کے پاس زکام کی حالت میں روتے ہوئے بھی جائیے تو ہنس کر
آپ کی طرف سے منہ پھیر کر کسی دوسرے مریض کی نبض پر ہاتھ رکھدیں گے
جس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ کو چونکہ زکام کی شکایت ہے۔ لہذا یہ ایسی تکلیف
وہ شکایت نہیں جس پر جلد متوجہ ہونا ضروری ہو، مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ طاعون
اچھا کہ آج مرے اور کل دوسرا دن، مگر اس زکام کی نیم مردہ اور نیم زندہ

کیفیات کو ہم کس منہ سے بیان کریں، اور کس قلم سے لکھیں؟

• بارے رسالہ "عالمگیر" کے ایڈیٹر صاحب نے سالنامہ کے لئے ہم سے مضمون طلب فرمانیکا خط عین اسوقت لکھا جب ہم زکام میں مبتلا ہوتے جارہے تھے اور جب یہ خط ہمیں ملا اُس وقت ہم پورے مبتلا ہوئے سر پکڑے بیٹھے تھے کہ خط آنکھوں کے سامنے لگاکر بولیں کہ کیا اسے بھی نہ پڑھیئے گا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ معاملہ تو ہے "زرنقد کا" اب معلوم نہیں زکام زدہ شوہر کو اُس وقت زرطلبی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے یا بیوی کو؟

بہرکیف یہ مضمون چونکہ زکام کی حالت میں لکھا جارہا ہے اسلئے اگر آپ کو اس کی حالتیں اور صورتیں سمجھادی جائیں تو آپ کو ہزاروں فائدے پہونچیں گے اور ہمارے لئے چند نیک طینت مرد اور چند اسکول کی پڑھی ہوئی لڑکیاں یہ یہ کہہ کر چپ ہوجائیں گی اور ہوجائیں گی کہ بے چارے اپنے مُلّا زموزی صاحب کتنے نیک ہیں کہ زکام کی حالت میں بھی قوم کو فائدے کی باتیں بتاتے رہتے ہیں اس لئے واضح ہو کہ ہم نہ تو قبلہ حکیم فقیر محمد صاحب چشتی کا مطب ہیں نہ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کا ہندوستانی اور یونانی شفاخانہ اور نہ ہی ڈاکٹر ایس، کے، برمن، کلکتہ ہیں جو زکام پر طباً، حکیماً اور "ڈاکٹراً" روشنی ڈالیں یا تاریکی ڈالیں البتہ ہم تو جتنے

اور جس قسم کے زکام اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں انہیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ علی گڈھ کالج کے سب سے زیادہ مشہور مشاعرہ باز پروفیسر "حضرت قبلہ مولنا احسن مارہروی مصنف "کتب کثیرہ" نے اپنی ایک کتاب بنام "تحفۂ احسن" کے صفحہ ۵ قیمتی ۸ پر زکام کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ ؎

بن گیا ہے طبیب اک عطار × بیچ کر کچھ دوائیں ناقص خام
دیکھئے اب کدھر گرے نزلہ × مینڈکی کو بھی ہو گیا ہے زکام

اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ ملا رموزی کا دوسرا نام مینڈکی ہے؟ غرض ان اشعار کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ معمولی آدمی کو گھمنڈ ہو جائے تو کہیں گے کہ مینڈکی کو زکام ہو گیا ہے ورنہ عقل میں نہ آنا کہ مینڈکی کو اگر زکام ہوا ہے تو اُسے طبیہ کالج کا بتایا ہوا "جوشاندہ" کس طرح پلایا جائیگا؟ لہذا معلوم کیجئے کہ انسانوں کو زکام کس طرح ہوا کرتا ہے۔ پس سب سے پرلطف قسم کا زکام "سفری زکام" کہا جاتا ہے مثلاً آپ کسی تھرڈ کلاس خاص کر کسی فرسٹ اور سکنڈ کلاس ڈبے کے اُس تھرڈ کلاس حصہ میں بیٹھے سفر کر رہے ہوں جس پر انگریزی میں "سرونٹ" لکھا ہوتا ہے تو کسی اسٹیشن پر آپ دیکھیں گے کہ پلیٹ فارم پر سے

یکایک ایک انگریزی قسم کا ورئیسانہ بستر آپ کے اوپر پھینک دیا جائے گا۔ اب اس "ضرب بستری" سے آپ بھنّا کر اٹھیں گے کہ اس "بستر انداز مسافر" کا مارے جوتوں کے سر توڑ ڈالوں مگر کھڑکی کے باہر آپ بجائے کسی معمولی مسافر کے ایک نہایت شاندار اور بیرسٹر قسم کے ہندوستانی کو کسی اپنے ایسی عظیم الشان حیثیت والے ساتھی سے انگریزی گفتگو میں مصروف پا کر آپ مارے خوف کے پھر اپنی جگہ پر خموش بیٹھ جائیں گے کہ گاڑی چلتے ہی یہی بستر انداز اور بیرسٹر صورت کے فیشن ایبل مسافر صاحب ہاتھ میں "پائپ" لیے کچھ بڑی ہی شان سے آپ کے اس تھرڈ کلاس ڈبے میں گھس آئیں گے جس میں فرسٹ کلاس انگریزوں کے جوتے صاف کرنے والے نوکر سفر کرتے ہیں اب آپ اور پریشان ہوں گے کہ آپ کے ڈبے میں یہ کہاں کا رئیس آگیا۔ شاید ریل روانہ ہوتے وقت یہ فرسٹ کلاس میں سوار نہ ہو سکے ہیں اس لیے بے چارے گھبراہٹ میں اس تھرڈ کلاس ہی میں بیٹھ گئے خیر بیٹھ جانے دو آگے آنے والے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔ لیکن دوسرے اسٹیشن پر یہ صاحب یہاں در پھر اتر کر کسی فرسٹ کلاس ڈبے والے سے گفتگو فرمائیں گے اور جہاں ریل چلی کہ یہ پھر آپ کے سرونٹ والے تھرڈ کلاس میں آجائیں گے اب آپ تو اپنے کچھ دماغ

ہونے کے سبب سے انہیں نہ پہچانیں گے اور ان کی انگریزوں ایسی صورت
اور لباس سے ڈر کر اپنا بستر سمیٹے ایک طرف بیٹھے رہیں گے اور یہ ہوں گے
کہ ایک کہنی کھڑکی سے نکالے سیٹی بجاتے ہوئے ریل کا بیرونی منظر ملاحظہ
فرماتے جائیں گے مگر آپ سے بات نہ کریں گے، بیرونی منظر سے اکتائیں گے
تو اندر سر ڈال کر کبھی پتلون کی اس جیب میں ہاتھ ڈالیں گے کبھی کوٹ کی
اُس جیب میں اور پھر کچھ بڑی ہی افلاطونی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ کر
ایک جیب سے "ہاتھی چھاپ سگریٹ" نکال کر اُلٹی طرف سے چلائیں گے
تاکہ آپ بھر سے یہ نہ پہچان لیں کہ "ابے دیکھ لیا ہاتھی چھاپ پی رہا ہے"
اسکے بعد اب پھر یہ کھڑکی سے باہر سر نکال کر سیٹی بجائیں گے مگر آپ سے
بات نہ کریں گے جب اس سے بھی تھک جائیں گے تو "پانیر اخبار" کو خواہ
مخواہ" پڑھیں گے مگر انگریزوں کی ایک بھی سیاسی حرکت کو نہ سمجھیں گے
کیونکہ اگر اتنی ہی لیاقت ہوتی تو آزاد نہ ہو جاتے انگریزی غلامی سے
گدھے کہیں گے" اب سمجھے آپ یعنی اسے کہتے ہیں "سفری زکام"
کہ سفر تو کر رہے ہیں بیٹا تھرڈ کلاس میں مگر دماغ میں بھرا ہوا ہے خناصا
"سیکنڈ انلڈپن" اب اس زکام کی تفصیل یہ ہے کہ اس قسم کے مسافر کو

آپ جب دیکھیں تو سمجھ لیں کہ یہ آدمی یا کسی بڑے آدمی کا دوست ہے
اور یہ اُسکے ساتھ نوکر کے ٹکٹ سے سفر کر رہا ہے چنانچہ درمیانی اسٹیشنوں
تک فرسٹ کلاس ہی میں اپنے دوست کے پاس بیٹھا رہے گا اور
جہاں ٹکٹ کلکٹر کے دیکھ لینے کا اسے خطرہ ہوگا وہاں یہ فوراً فرسٹ کلاس سے
بھاگ کر آپ کے سرونٹ کلاس میں آ جائیگا مگر زکام کا یہ حال ہوگا کہ
کہ اس ذلت پر بھی آپ سے سیدھی طرح بات نہ کریگا۔ کم ظرف کہیں گا'
اور جو یہ نہیں تو خود ہوگا امیرزادہ اور دولتمند باپ کا بیٹا مگر بی" اسے
پاس ہونے کی تجارتی ذہنیت کے اثر سے لباس تو پہنے گا انگریزی الدکا
مگر خرچ کم ہونے کی خاطر ٹکٹ لیگا تھرڈ کلاس ہی کا۔ کمینہ کہیں گا۔

اس زکام کا پہلا چوشاندہ تو وہ ہے جو مُلّا رموزی اور اُسکے بھائی
صادق صبحی نے لاہور سے واپس آتے ہوئے انٹر کلاس میں ایسے ہی
زکامی فیشن ایبل مسافر کو سوار ہوتے وقت پلا یا تھا یعنی جوں ہی کہ مسافر
صاحب نے برادرم صادق صبحی کے پاؤں برابر سیٹ پر کوئی چالیس من کا
بستر رکھا کہ صبحی صاحب نے دل میں یا علی کہہ کر جو ایک لات ماری تو بستر
وصوف کی گود میں اس پہ جو جھلائے تو ہم دونوں نے کھڑے ہو کر ادب

عرض کر دیا کہ اگر اُف بھی کہا تو حضور ریل ہی کے باہر نظر آئیں گے کھینچیے زنجیر اور کیجیے رپورٹ ہماری، بس دہلی تک ہم جانتے ہیں کہ یہ "دام اقبالہ" کس طرح خوش بیٹھے رہے ہیں اور جو گئے ہیں تو دہلی کا ایک ایک یتیم خانہ تلاش فرمالیجیے اگر مل جائیں تو آمد و رفت کا کرایہ ہمارے ذمہ۔

اور دوسرا جو نمائندہ یہ ہے کہ جب آپ کے ڈبے میں ایسے تھرڈ کلاس افلاطون صاحب تشریف لے آئیں تو پہلے حسب ضابطہ ان سے تہذیب کا برتاؤ کیجیے لیکن وہ کبھی بھی آپ کی تہذیب کو خاطر میں نہ لائینگے اسلئے کہ ان پر تو زکام سوار ہوگا "فیشن ایبلیت" کا اس لئے پھر ان کی ہر ادا اور ہر حرکت کا خوب مذاق اُڑائیے، اور ہو سکے تو انہیں ہر قسم کی تکلیف پہنچائیے۔ کیونکہ ان کی تکلیف رسانی سے کسی قسم کا خطرہ اس لئے نہیں ہوتا کہ اس قسم کے مسافر اکثر بے ٹکٹ بھی ہوا کرتے ہیں اور وہ جو اپنے چہرے پر فرسٹ ڈپٹی کلکٹروں ایسا رعب پیدا کئے بیٹھے رہتے ہیں اس کا مطلب بھی یہ ہوتا ہے کہ غریب مزاج کا ٹکٹ کلکٹر اور مسافر ان سے ٹکٹ کا سوال نہ کر سکیں۔ اس لئے ان سے بحیثیت مسافر بھی آپ اس طرح ٹکٹ طلب کیجیے کہ جناب عالی کہاں تشریف لے جا رہے ہیں جب وہ بڑے غرور سے کہیں کہ لکھنو تو کہئے کہ اُفوہ تو ذرا اپنا ٹکٹ مجھے دکھائیے کیونکہ میرا

ٹکٹ بھی لکھنؤ کا ہے۔ مگر اس پر ۳ر آنے کم کیوں لکھے ہیں اس پر ٹکٹ دکھا
دینا کوئی معیوب بات نہ ہوگی مگر دیکھ لینا کہ وہ آئیں بائیں شائیں فرما کر
ٹالیں گے۔ بس آپ کو چاہئے کہ فوراً کسی ٹکٹ کلکٹر سے جا کر کھدیں کہ

ہاں ہاں وہ جو بڑے نخرہ سے بیٹھے سیگریٹ پی رہے ہیں"
ہاں ہاں یہی سامنے والے تھرڈ کلاس میں"
وہ دیکھو وہ آپ کے خوف سے اب اپنے منہ کو اخبار سے چھپا رہا ہے۔
بے ہودہ کہیں کا"
بس اب جو آپ کے کہے پر ٹکٹ کلکٹر ان کے پاس پہنچا کہ ان کا تمام سفری
نشہ کافور"

بدقسمتی سے ہندوستانی علم کو علم کی خاطر" نہ خود حاصل کرتے اور نہ حکومت
انہیں ناصل اجل تصور کرتی اس لئے ۹۹ فیصدی ہندوستانیوں کی معراج
زندگی کہئے تو ملازمت ہے اور مقصود حیات کہئے تو ملازمت ہے اس لئے شدید سے
شدید قسم کا نزکام ہندوستانی افسروں کا زکام ہوتا ہے جس کی ابتدا سبلغ
سود وپیہ کی غلامی عرف ملازمت سے ہوتی ہے، اُدھر عوام وخواص کی ذہنیت
میں جو کہ بلندی اور وسعت نہیں۔ اس لئے جہاں کوئی کالے خال ور نہ بد آ رہا

صاحب سو روپیہ سے زیادہ ملازم ہوئے کہ اب نہ دل ٹھکانے نہ دماغ درست "
اس لئے اب باور فرمالیجئے کہ انہیں زکام ہو کر رہے گا اور اب یہ ٹینس کھیلے بغیر
زندہ ہی نہیں رہ سکتے، پس ان کا زکام سب سے پہلے رخساروں کی سُرخی
اور گولائی سے شروع ہوگا اور جب ان کا پیٹ تو ند کہے جانے کے قابل ہو جائے
تو سمجھ لیجے کہ اب موصوف کو زکام ہو چکا، چنانچہ ہندوستانی افسروں کی زکام کی
علامتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مزاج میں خواہ مخواہ کی خشکی، رعونت، اکڑفوں، پیدا ہو جائے گی،
یہاں تک کہ جس موقع پر انہیں کسی ضرورت سے تیز تیز چلنا ہوگا وہاں بھی عہدے
اور افسری کے غرور سے آہستہ ہی چلیں گے۔

۲۔ ہنسی، مذاق، دل لگی، اور قہقہہ لگانے سے دانستہ طور پر پرہیز
کریں گے تاکہ چہرہ پر ہر وقت اس قسم کی خشکی طاری رہے کہ جو دیکھے وہ سمجھ لے
کہ آپ ضرور کہیں کے افسر ہیں یا آپ کے والد ہی مرثیہ خواں تھے اس لئے اب
چہرہ پر ہنسی اور خوشی کا کیا ذکر۔

۳۔ اب اگر افسری پر موٹر بھی ہاتھ آجائے تو سمجھ لیجئے کہ اب حضور
ممدوح کا زکام بہہ رہا ہے۔ لہذا موٹر میں اُن کے زکام کی پہچان نمبر چار یہ ہوگی

کہ گذرنے والے لوگوں کا سلام اس انداز میں قبول فرمائیں گے کہ اگر سلام
کرنے والا سمجھ لے تو جوتا ہی پھینک کر مار دے۔
پہچان نمبر پانچ یہ ہوگی کہ افسری کے بعد ہی پہلے تو محلے کی مسجد میں اور مندر میں
جانا ترک کر دیں گے پھر محلے والوں سے مراسم اور میل جول میں کمی فرمائیں گی یہاں تک
کہ اب آپ انہیں نہ کسی غریب اور نہ محلے والے کے عقیقے میں پائیں گے نہ ختنے میں۔
پہچان نمبر چھ یہ ہوگی کہ اپنے ماں باپ کا لباس چھوڑ کر انگریزوں کا لباس اختیار
فرما کر اسے روشن خیالی اور ترقی بھی سمجھیں گے۔
پہچان نمبر سات یہ ہوگی کہ اپنی قومی تاریخ قومی روایات اور قومی آداب سے
یکسر جاہل ہوں گے اور نپولین گلیڈسٹون اور پاپائے اعظم روما کے حالات
وروایات سے واقفیت کو شرف و فضیلت سمجھیں گے اور انہیں خیالات کا تواتر ہے کہ
جو بے چارہ گاندھی آج تک مارا مارا پھر رہا ہے اور کوئی پوچھتا نہیں مگر ان
گدھوں نے یہ نہ دیکھا کہ گاندھی اپنی ملکی اور قومی لنگوٹی کی عزت کیسے کیسے صاحبان
مراتب سے منوا رہا ہے۔ مگر یہاں تو یہ زکام سوار ہے کہ شہر بھر میں افسر صاحب
مشہور ہیں پس ان کے زکام کا بہترین اور مجرب جوشاندہ یہ ہے کہ آپ انہیں
کسی حال میں بھی خاطر میں نہ لائیے کچھ شک نہیں کہ ان لوگوں کا زکام قوم کی

عام صحت کے لئے نہایت درجہ وبائی نقصانات کا باعث بنا ہوا ہے اور ایسے ہی ہیں جنہوں نے قوم کی وحدت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی۔ امیر اور غریب ورنہ اگر انہیں زکام نہ ہوتا اور یہ غربا سے بھی مراسم اور تعلقات رکھتے تو قوم کے یہ دو ٹکڑے کبھی نظر نہ آتے خصوصاً مسلمانوں میں تو یا سب کو غریب کہا جاتا یا سب کو امیر لہذا ان کے زکام سے محفوظ رہئے۔

بیوی کا زکام بیوی کی حیثیت سے متعلق ہوا کرتا ہے مثلاً اگر آپ کی بیوی پرانے یا غریب گھرانے کی ہے تو اس کا زکام اول تو تکلیف دہ نہ ہوگا اگر ہوگا تو خود اس کے لئے ہوگا، اور جو آپ کی بیوی امیر گھرانے کی ہے اور اس پر کسی اسکول کی تعلیم یافتہ بھی پھر تو اس کے زکام کا علاج نہ ملا رموزی کے بس کا نہ کسی حکیم اور ڈاکٹر کے اختیار کا، اس کا زکام اس کے گھر میں دوسری عورتوں کے آنے سے شروع ہوتا ہے اور جب یہ کسی شادی بیاہ کی محفل میں پہونچ جائے تو سمجھو کہ اب اس کا زکام اسکے قابو ہی کا نہیں!

جہاں کوئی عورت اس کے گھر میں داخل ہوئی کہ اُسنے مارے زکام کے اُسکے سامنے پھولنا شروع کیا اور اس سب معاملہ میں وہ شوہر کو اس طرح ضرور شریک رکھتی ہے کہ

کیا بتاؤں بہن کیا کر رہی ہوں؟

اُنہی کا مفلر تیار کر رہی ہوں خدا جانے مشین کب سے بند پڑی تھی کیونکہ اُسے میرے سوا کوئی دیکھنا بھی تو نہیں جانتا اور مفلر ہے یہ دیکھئے ریشم کا اُن کا کیا وہ تو حکم دے کر چلے گئے ہیں، جی میں تو آتا ہے مشین توڑ کر پھینک دوں اِس سے پہلے بھی دو تین مشینیں ذرا میں توڑ کر پھینک چکی ہوں"

مگر وہ پھر ولایت گئے تو اسے لے آئے۔

خدا کا شکر ہے وہ میری ان عادتوں کو پہچانتے ہیں اور میں کتنا ہی بڑا نقصان کر دوں بس دیکھ کر ہنس دیتے ہیں"

ارے لا اندہی بیٹھی ہے اور دیکھ رہی ہے۔

ہاں وہ میز پر ہی تو رکھا ہے،

باجہ باجہ کرتی ہے بے غیرت)

دیکھ اللہ رکھی اب تیرے مار کھانے کے دن آرہے ہیں بہت سر اُٹھایا ہے تو نے، لا اور وہ سوئیوں کی ڈبیہ دے۔

اری اُگالدان تو رکھ بہن کے سامنے"

واہ واہ، آپا یہ الہ آباد کی ایک بڑی طوائف کا رکارڈ ہے۔

سبحان اللہ"

سمجھ میں آرہا ہے آپ کے؟

اری وہ پروں کا پنکھا لا کر جھل آپا کے اوپر"

کیا کہوں آپا آج خدا جانے یہ بجلی کو کیا ہو گیا ہے۔

صبح ہی سے پنکھا بند پڑا ہے۔

کچھ نہیں وہ دفتر سے آجائیں بس ایک حکم بھیجدیں گے تو پنکھا اسی وقت

درست کر دیا جائے گا اسی لئے تو میں نے فوراً یہ پروں کا پنکھا تیار کر لیا'

کس قیامت کی گرمی پڑ رہی ہے اب کی"

دیکھئے ہم پرسوں تک منصوری یا شملہ چلے جائیں گے۔ کون رہے

بہن اس جہنم میں۔

محفل میں جو نیم انگریز لیڈی بنکر پہونچیں تو

دروازہ ہی سے ملازمہ کے ساتھ یوں مخاطب کہ

کیوں ری بے ہودہ تو میرا وہ سیاہ ہینڈ بکس نہ لائی حالانکہ میں نے تاکید کردی تھی

آداب عرض ہے۔

معاف فرمایئے گا وہ مجھے دیر اس لئے ہوئی حاضر ہونے میں کہ پرسوں ہم لوگ

شملہ جا رہے ہیں بس اُس کی تیاری میں ایسی مصروف ہوں کہ عرض نہیں کر سکتی
۔ مگر وہ تو آپ کے بچہ کی تقریب تھی "
جی ہاں پرسوں روانگی ہے پنجاب میل سے "
جی نہیں "

ارادہ یہ ہے کہ شملہ سے منصوری چلی جاؤں گی کیونکہ وہاں بڑی بھاوج بھی ہیں ادھر چھوٹا بھائی وہاں کالج سے چھٹیوں میں آکر مل لیگا "
وہ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ تم اس مرتبہ پشاور بھی ہو آؤ کیونکہ تمہاری صحت بھی خراب رہتی ہے مگر دیکھئے اب خدا کو جو منظور ہو " وغیرہ "
اپنی مرضی کے بغیر پوری متانت سے بیٹھے بیٹھے اچانک آپ اچھل پڑیں یا کانپ جائیں تو سمجھ لیجئے کہ زکام شروع ہو گیا "
باتوں کے بالکل بیچ میں آپ ایک دم منہ کھول کر رہ جائیں "
اچھا صو۔ صو۔ صو۔ بابا آچھیں "آچھیں "صبح ملوں گا "
انشا آ۔ آ۔ چھی۔ چھیں "چھیں اللہ تعالیٰ ضرور حاضر ہوؤں گا "
اور دیکھئے تو بس ذرا اٹھے آ۔ آ "چھیں۔ چھیں ٹھہر جائیے "
جب اس قسم کی حرکات کے آپ مرتکب ہونے لگیں تو سمجھ لیجے کہ زکام

شروع ہو چکا،

پس ہمارا جب یہ حال ہونے لگا تو بولیں،

تو وہ جوشاندہ کیوں نہیں پی لیا جاتا دن بھر ہو گیا ہے آچھیں آچھیں کرتے

بتائیے ان الفاظ میں زکام زدہ شوہر سے ہمدردی اور محبت ظاہر ہوتی ہے یا اولٹا ناڈ اور طنز؟

کون صاحب؟

حا۔حا۔آچھیں۔حاضر ہوا"

وا۔وا۔آ۔آ۔آ۔آچھیں۔آچھیں۔آچھیں۔ وعلیکم السلام

جی ہاں کیا بتاؤں رات ذرا بے موقع نہا لیا تھا،

جی ہاں نز۔نز۔آچھیں آچھیں نزلہ بھی ہے۔

میں خود آپ کے ہاں دو مرتبہ گیا تھا۔سبحان اللہ اماں تم خود غا" غا غا۔ آچھیں آچھیں غائب تھے،

ارے بھئی کوئی سر تو دبا دو میرا۔

آہ۔آہ۔اللہ۔اللہ،

ارے اب اب،آچھیں۔آچھیں،عبداللہ،

اُفوہ،   اونھ   اچھیں۔آ۔آ۔آچھیں،

یا اللہ تو گناہ معاف فرما"

جی کچھ بھی تو نہیں کھایا تھا۔ے۔ے،"آ۔لاحول ولا چھینک ہی رُک گئی
ہاں میں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا بس وہ ایڈیٹر صاحب آ۔آچھیں آچھیں
"عالمگیر" کے ہاں ایک پا۔پا۔پا۔آچھیں کمبخت پراٹھا کھا لیا تھا صو صو
آ۔آچھیں صبح کے وقت "

غرض اس طرح دو تین دن ناک سے خاصا شور بہہ جانے کے بعد اب
آپ کا زکام آپ کے چہرہ کو یوں حسین بنا دیگا گویا آپ کے منہ میں پمپ
لگا کر ہوا بھر دی ہے، اس کے ساتھ ہی شدید بخار کھانسی اور کبھی کبھی
آ۔آ۔آچھیں کے استخواں شکن جھٹکے آپ کو جانکنی کی تکلیف تک پہنچا دیں گے
مگر اس عذاب الیم میں مبتلا دیکھ کر آپ کے ماں باپ اور بیوی بچوں سے
لے کر ایک ایک شخص آپ سے یوں ہمدردی کریگا کہ اماں لاحول ولا بس
اتنے سے زکام میں یہ حال،
ماشاء اللہ کیا مرد ہیں آپ ؟
واہ کیا کہنا سبحان اللہ اماں بچے بھی اتنے نہیں گھبراتے ہیں۔

اربھئی یہ زکام کھانسی بھی کوئی علاج والے مرض ہیں؟

استغفراللہ اتنی سی زکمیہ ہیں جب یہ حال ہے تمہارا تو پھر اور بیماریوں میں تو خدا جانے کیا حال ہوتا ہوگا تمہارا"

ممکن ہے آئندہ سال کے "سالنامہ" میں اپنے زکام کی کچھ تفصیلات بتلائیں فی الحال اگر ہوسکے تو مذکورہ بالا زکاموں کا علاج کیجئے:

پس مذکورۂ بالا علامتیں جس شخص کے اوپر طاری پائی جائیں سمجھ لیجے کہ اسے زکام ہوگیا ہے۔ فقط (منقول از رسالہ عالمگیر لاہور)

جبلپور زنک

روایت ہے اور نہایت معتبر روایت ہے کہ سابق مولنا عبدالحق انجمن ترقی اُردو حال پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن جب سفر فرماتے ہیں تو ریل گاڑی نمبر تین عرف پسنجر ٹرین سے اس لئے کہ اس غریب نواز ریل گاڑی میں ممدوح کو تحریری کام کے لئے خاصا سکون حاصل ہوتا ہے یعنی اس میں مسافر زیادہ نہیں ہوتے ادھر یہ سنتے رہتے تھے کہ بزرگوں کے" پاؤں پر پاؤں رکھکر" چلنا عین سعادت ہے۔ لہذا صوبجات متوسط میں انجمن کے

امداد باہمی کی طرح انجمن ہائے اردو کی طرح ڈالنے کے لئے اردو کے مذکورہ بالا باوا آدم علیہ السلام کے قدم بقدم چلنے کی خاطر تمام ریلوں کو چھوڑ کر پسنجر ٹرین ہی کو اختیار کیا تاکہ خیر و برکت کا باعث ہو۔"

پہلا ہی پہل یہ پالا کہ ہم مذاق مسافروں کے عوض کم نہ زیادہ پورے چار نقشبند عرف گداگر لوگ "مولا مشکل کشا علی" کہہ کر برابر برابر آ بیٹھے۔ اب ان چار یار برقرار کے بالکل بیچ میں ہم "پنجتن پاک" کی طرح جو نظر آئے تو اُن لوگوں نے خالص ایم۔ اے پاس جاہل دہریہ اور علوم اسلامی سے یکسر کورا سمجھ کر جو گداگرانہ معجزات و کرامات کے اظہار کا سلسلہ شروع کیا تو اطمینان ہو گیا کہ مسلمان قوم زوال ذلت کے دور میں جو داخل ہوئی ہے تو اس کا ہر فرد فضولی فضول گوئی اور بربادی کے ہنر میں طاق بھی ہے اور اور دروازہ بھی مثلث مثلاً ہم سے جب ان مولا مشکلکشا علیؑ قسم کے لٹھ بند فقیروں نے دریافت کیا کہ آپ جبل پور کیوں جا رہے ہیں تو ہم نے ادب سے عرض کیا کہ۔

"مرشد دعا کیجئے میں جبلپور ہاکی کھیلنے جا رہا ہوں۔"

تو ان کا بہرہ کرامات کھل گیا اور روحانیت کے جملہ مراتب طے کر کے

ایک لمبی لاٹھی والے مرشد بولے کہ

بچہ مولا علی تیری مدد کریں گے تو جب کھیل کو جائے تو جبلپور کی درگاہ مزار پر حاضری دیتا جانا"

اس پر ہم نے عقیدہ مندی کے لہجہ میں عرض کیا کہ آخر کار ہمیں بھی تو بتا دیجئے کہ اس درگاہ میں وہ کون سی اکسیر اعظم ہے جس کے طفیل ہم ہاکی کے کھیل میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تو واقفِ اسرار خفی و جلی مرشد نے اپنی گردن میں تسبیح کو گھما کر فرمایا کہ

"بچہ وہاں ایک باوا صاحب ہیں اور اس سے زیادہ ہم کچھ بتانے پر قادر نہیں"

اب جب یہ بھی ہو لیا تو عرفان و معرفت اور اسلام و حقائقِ اسلام کے ان غیر سرکاری ٹھیکہ داروں میں سے ایک نے پورے آدھے فٹ کی ایک چلم نکالی اور ایک نے حکیم اجمل خاں قبلہ مغفور کی حبوب دافع تبخیر کے برابر گانجے کی گولی کو ہتھیلی پر مل کر جو "یا حق" کہا ہے تو آن کی آن میں پورا ڈابا برطانیہ کی دخانی کشتی نظر آنے لگا، اب اس دھواں دھار گانجا نوشی کے وقت ہمارے لئے دو ہی راستے تھے یا ان میں سے ہر ایک کا گلا دبا دیتے یا اپنی ناک کاٹ کر

انھیں دے دیتے کہ لیجئے اور اس تعفن کو ہماری ناک سے سونگھ کر اندازہ کیجے کہ آپ کیا پی رہے ہیں اور ایک عاشق مزاج اور رنگین دماغ ملّا رموزی کو اس گانجے سے کس قسم کا لطف حاصل ہو رہا ہے؟ مگر سوچا کہ اگر گانجے سے اظہار بیزاری کرتے ہیں تو ان گداگروں کی گفتگو سے محروم رہ جائیں گے اس لئے پہلو بدل بدل کر دھواں بچاتے رہے تو ان کی رنگین داستانیں جاری رہیں کہ اچانک مرشد نے چلم سے خاک اٹھا کر ان الفاظ کے ساتھ ہمیں عطا کی کہ نے علی کے شیر اسے ٹھیکتے وقت پان میں کھا لینا پھر دیکھنا فقیر کی بات کا اثر ہے۔

ہم نے فوراً اس خاک کو آنکھوں سے قریب کیا تو گداگروں کو یقین ہوگیا کہ ملّا رموزی اُن کا معتقد ہو چکا لہذا پھر چلنے دیجئے اس "عمل سوختہ" کا دور۔ اب خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی بیس تیس مریض ایسے بتلائے گئے جنھوں نے "اِن مرشدین راہِ چلم و گانجا" کی خاک سے شفا پائی اب ہمیں حیرت تھی تو یہ کہ جب ان مرشدین کامل کی چلم میں خاکِ شفا بخش دن میں ہزار بار تیار ہوتی ہے تو پھر ہمدرد دواخانہ دہلی" اور" یونانی دواخانہ دہلی کی کیا ضرورت ہے جن پر لاکھوں روپیہ برباد کئے جا رہے ہیں؟

غرض اِس قسم کی واہی تباہی باتوں کے بعد اصل فقیری اور حندا رسیدگی کا اظہار اس وقت ہوا جب بیچارے ہر دانِ منزل سلوک و عرفان ہوشنگ آباد اسٹیشن تک مطمئن ہو گئے۔ کہ ملا رموزی بھی اسی قسم کا کوئی ایم۔ اے پاس افسر ہے جو اپنی بہو بیٹیوں تک کو برکت حاصل کرنے پیروں اور ولیوں کی خدمت میں بھیجا کرتے ہیں لہذا جب یہ لوگ ریل گاڑی سے اترنے لگے تو ایک نے ہم سے آہستہ سے کہا کہ

لا بچا کچھ فقیروں کا حصہ بھی دیدے تاکہ صبح کو یہاں سے آگے کا ٹکٹ خرید لیں۔

تب ہم نے کہا کہ یہ حصہ تو وصول کیجئے آپ تحصیل داروں سے کہ کہ انہی کے ہاں اس قسم کے حصے وصول ہو کر آتے رہتے ہیں البتہ یہ دیکھئے کہ اب ہم آپ کی گت بناتے ہیں؟ اب جو یہ کہا تو فقیر صاحب کے حواس خراب ہو گئے اور فوراً پلیٹ فارم کے اُس دروازہ کا رُخ کیا جدھر سے بے ٹکٹ مسافر بھاگا کرتے ہیں۔

گھر تک

اب یہ یقین آہی گیا کہ دنیا کا لاجواب سے لاجواب شوہر اپنی دنیا کی

بدسے بدتر بیوی سے ہمیشہ کے لئے جُدا نہیں رہ سکتا۔ تو اچانک بستر باندھ دینا پڑا۔ اتفاق کہ بھائیوں کی ہاکی والی جماعت بھی اسی وقت سفر کر رہی تھی رات کے ایک اوپر گیارہ بجے جبلپور سے ریل روانہ ہوتی ہے۔ آج کئی دن کی شدید گرمی کے بعد شام کو ایک خوفناک اور دماغی سکون کو برہم کر دینے والی آندھی کے بعد قدرے بارش ہو جانے سے موسم میں وجد و کیف کی جو شرابیں بھر دی گئی تھیں۔ ان کے اثر سے آج کی رات رندوں کے حق میں پینے پلانے والی رات ہو گئی تھی۔ اس رات ہواؤں میں جو لطافت و نزہت اور فرحت و شادابی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے دل و دماغ میں نشاط خیال و سرمستی کے جو ولولے پیدا کر دیئے تھے ان کا لطف وہی لوگ کچھ خوب محسوس کر سکتے ہیں جو جہنم زار ہند میں چار مہینے کے لئے جھونک دیئے جاتے ہیں۔ یہ کہکر غریبا اگر بھوکے مر جائیں تو اخباروں میں تعداد بتا دو۔ اور سرکاری دفاتر کو شملے کی برفانی بلندیوں پر منتقل کر دو۔

ابھی بارش ہو رہی تھی اور ملا رموزی سیٹھ احمد فرحت کے دولت کدہ پر بیٹھا تھا۔ کہ یکایک اس نے اپنی روانگی کا اعلان کیا۔ کچھ شک نہیں کہ اس اعلان سے سیٹھ صاحب موصوف مولٰنا امین اللہ صاحب امیر اور

مولانا غلام جیلانی صاحب کو بے حد افسوس ہوا۔ انہوں نے ازراہ خلوص
و کرم اسٹیشن تک ہمراہ رہنے پر اصرار کیا۔ مگر ہم نے اسے منظور نہ کیا۔ البتہ برادر
گرامی ڈاکٹر اعظم کریوی ایڈیٹر رسالہ "اکبر الہ آباد" نے کسی طرح نہ مانا۔
اور یہ ساقی سوٹ پہن کر یہ کہتے ہوئے ہمراہ ہو گئے کہ ؎

آں نہ من باشم کہ وقت ریل بینی پشت من

اب جو ڈاکٹر اعظم ایسا رنگین دماغ ہم پیشہ اور نکتہ سنج اہل قلم ساتھ ہو گیا
تو جبلپور میں آج جو ہلکی بارش ہو گئی تھی اس کا حیات آرا لطف حاصل ہو گیا
یعنی اس بارش نے آج کی رات کو خنکی اور طراوت تازگی اور شادابی کے
جس حسن و شباب سے آراستہ کر دیا تھا اس کی لطافت افزا کیفیات کا
مزا اسی طرح مل سکتا تھا۔ کہ حسن و جمال کے تذکروں میں کوئی ہم خیال و ہم
مذاق اس طرح شریک ہو کہ

ہم کہیں کہ آج لوگ اس طرح کوٹھوں پر سو رہے ہوں گے کہ بجلی کے
لیمپ سرہانے ہوں گے۔ اور کچھ کتابیں اور رات کی اس خنکی سے جو گہری
نیند آئی ہوگی تو اس کے اثر سے دوپٹہ مسہری سے نیچے لٹک رہا ہوگا۔ مگر سونے
والے کو خبر بھی نہ ہوگی۔ تو ساتھی کہے کہ غلط غلط بلکہ کوئی آج اس طرح

سو رہا ہوگا کہ اس کے منہ پر ملا رموزی والا اخبار "تازیانہ" پڑا ہوگا۔ اور وہ ملا کے مضمون کو پڑھتے پڑھتے ہی سو گیا ہوگا۔

کچھ شک نہیں کہ ہم اور ڈاکٹر اعظم اس بارش سے اتنے ہی پرکیف تھے کہ اسٹیشن تک حسن انسانی سے لے کر جمال فطرت کی وجد آفریں نگار آرائیوں کی لاکھوں تبصرے کر گزرتے۔ مگر برا ہو احساس و شعور پر تنگ دامنی اور حرماں نصیبی کا کہ اس وقت ہم دونوں کہنا تو چاہتے تھے یہ کہ آؤ ہم تم ان شاداب ہواؤں کے مستی پیدا کرنے والے جھونکوں میں بیٹھ کر خط لکھیں جس کا خلاصہ صرف یہ ہو کہ تمہیں خبر بھی ہے کہ ہواؤں کی ان شادابیوں نے اصحاب درد ارباب ہوش کے کتنے افسردہ ارمان پھر سے شاداب کر دیئے ہیں۔ مگر دونوں کے منہ سے جب نکلتا تھا تو یہ کہ اُف وہ ملا صاحب نہ پوچھئے اِن بے دردوں کی ہم ابیوں سے بے مہریاں؟ اور ہم کہتے تھے کہ جی ہاں۔ ڈاکٹر صاحب سچ ہے کہ گورے کو کالی اور کالے کو گوری بیوی دیئے جاتے کا قاعدہ اور آرڈیننس جو جاری ہو چکا ہے وہ بدلا جا سکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُسے بدلے کون؟

غرض بارش کی خنکی، اور جبلپور کی ٹھنڈی اور کشادہ سڑکوں پر جب تک چلتے رہے اُس وقت تک شعر و ادب اور حسن و جمالیات ہند پر وہ وہ تبصرے

اور وہ تنقیدیں ہوئی ہیں کہ اگر ہم دونوں کی اس وقت کی باتوں کو کوئی لکھتا جاتا تو وہ ادب اردو اور زبان اردو کا ایک ایسا سرمایہ ہوتا کہ جو دیکھتا وہ مست ہو جاتا؛ اور جو سنتا وہ شیریں فرہاد کے قصوں کو بھول جاتا کہ۔

ناگاہ ریلوے اسٹیشن جو نظر آیا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ سی۔ آئی۔ ڈی کا کوئی بڑا انگریز افسر ہمارے کان میں کہ رہا ہے کہ اچھا بس ملا صاحب اب یہ اپنی تمام خوش دماغی اور مستی تو چھوڑ جایئے۔ ہمارے پاس اور ہاتھ ڈال کر جیب میں یہ دیکھئے کہ تھرڈ کلاس ٹکٹ کے دام بھی ہیں یا نہیں؟ اس لئے فوراً ہی ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ ٹکٹ لے آیئے۔ میں بستر لے کر پلیٹ فارم پر چلتا ہوں۔

ٹکٹ جو آگیا تو اب ہونے دیجئے ہجر و فراق اور جدائی کے افسردہ کن تذکرے۔ مثلاً ڈاکٹر فرماتے کہ آہ ملا صاحب آپ کے آنے سے میرے اندر جو پھر سے جوانی آگئی تھی تو اب آپ کے جانے سے میں پھر خضاب لاجواب کے قابل رہ جاؤں گا۔ اور ہم کہتے تھے کہ کچھ شک نہیں ڈاکٹر صاحب اب جو ہم وطن میں داخل ہوئے کہ ہونے دیجئے ہم سے یہ لطافت سوز سوالات

کہئے کیا لائے۔

جی ہاں اب تو خاصی آمدنی ہو رہی ہے۔ کتابوں سے ؟ وغیرہ
پلیٹ فارم پر ابھی اس قسم کے خیالات دماغوں کو برباد کر ہی رہے تھے کہ
کہ ایسا محسوس ہونے لگا کہ سبز ریشم میں ایک سفید سی چیز کو چند انگریز
اس مستی وخرمی اور فاتحانہ تبسم کے ساتھ اپنے حلقہ میں لئے ٹہل رہے ہیں
کہ کالے آدمی دیکھیں اور دل تھام کر پلیٹ فارم پر بیٹھ جائیں۔ یہ سفید سی
متحرک بجلی جس طرف چمک جاتی تھی بڑے بڑے انگریز ٹوپیاں اُتار کر
اُسی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس کے پاس سے سینٹ کی جو
مہک اور خوشبو اڑتی تھی اس نے پلیٹ فارم پر چلنے والی ہندوستانی
ہواؤں کو پرستان انگلستان کی عنبر فشانیاں اور عطر بیزیاں بخش دی تھیں
اونچی ایڑی کے سیاہ جوتے کی کھٹ کھٹ پر نظر پڑتی تھی۔ تو ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ ایک سرو گلستان ہے۔ جس کے قد رعنا میں ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے
موجیں پیدا کر رہے ہیں اور قریب ہے کہ پلیٹ فارم تہ و بالا ہو جائے چنانچہ
ہم نے بھی اپنی خواہ مخواہ کی ملائمیت کو بستر کے پاس رکھ کر جب خواجہ حسن نظامی
قبلہ کی حسن پرور نگاہ سے دیکھنا شروع کیا تو یہ محققانہ نکتہ سمجھ میں آ ہی گیا

کہ گلستانِ فرنگ کی یہ نیلگوں چشم قمریاں اور ریشمی تتریاں کچھ تو اس لئے حشر خرام اور حسن لباب نظر آتی ہیں۔ کہ وہ ایک سرد معتدل خطے کی پیداوار ہیں۔ مگر یہ جو ہندوستانیوں کی نظر میں مجموعۂ جمال و محبوبیت نظر آتی ہیں سو اس لئے کہ ان کے مالک خود انہیں اتنا زیادہ لچک دار بناکر پھراتی ہیں کہ دیکھئے اور "دہائی ہے خواجہ دہلوی" کی لکھ کر کلیجہ پر ہاتھ رکھکر رہ جائیے۔ اور انھیں گلستان درگلستاں نمونوں کو دیکھ کر یہ اپنے قحط زدہ ہندوستانی چاہتے ہیں کہ اپنے قومی کالجوں اور اسکولوں سے بھی ایسی ہی کمانی دار تتریاں اُڑائی جائیں جو اپنے گنگا جمنی انداز سے لنڈن زادیوں پر آوازے کس سکیں کہ آؤ اور اپنے حسنِ بے قید و جمال بے محابا سے ہمارے لجائے ہوئے اور شرمیلے نمونوں سے مقابلہ کرو۔ پھر دیکھو کہ ایشیا تمہارے چاند سورج کو شرمانے والے چمڑے پر مرتا ہے۔ یا ہماری گندمی ملاحت پر جان دیتا ہے۔

فی الجملہ ہم نے طے کیا کہ پلیٹ فارم پر اس نارنجی اور سبز رنگ کی عزت بڑھانے والے کو اگر دیکھنا ہی ہے تو یوں دیکھو کہ ہندوستان کی مانی ہوئی پرہیزگاری بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اور نظر بازی بھی یوں ہو کہ ہر نظر اس زرق برق انسان ہی میں جذب و پیوست ہوتی رہے۔ اس لئے ہم

بڑے ہی نمازیوں کے انداز" سے ایک چائے کی دوکان پہ کھڑی چائے پیتے رہے اعظم بے چارے نہ کسی کے جھانکنے میں ہیں اور نہ کسی کی تاکنے میں بس کھڑے چائے پی رہے ہیں اب اتنے میں اگر ادھر ادھر کبھی کبھی دیکھ بھی لیتے ہیں تو کہاں کا گناہ کرتے ہیں۔

وہ تو ہوش اس وقت آیا۔جب وطن اقدس لیجانے والی ریل گڑگڑاتی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اور ہندوستانی مسافروں کے بستروں اور صندوقوں کا دنگل شروع ہوگیا۔ اب قریب قریب ہر مسافر اس فکر میں تھا اس اکیلے کو ساری ریل سونے کیلئے مل جائے۔ مگر ہم اس غم میں کھڑے تھے کہ آہ زبان اردو کے کسی نصف نظام دکن ہی نے آج اس قابل تو بنا دیا ہوتا۔ کہ جس فرسٹ کلاس میں یہ بعتان فرنگ سفر کرتے ہم بھی اسی فرسٹ کلاس میں ڈٹ جاتے مگر وہ جو جبلپور اپنے ہی کرایہ سے لے گئے تھے اور اپنے ہی کرایہ سے واپس ہو رہے تھے۔ تو اس کا پھل یہ ملا کہ وہ قہقہہ لگا کر اور انگریزی ٹوپیوں کا سلام لے کر فرسٹ کلاس میں اور ہم نے قلی سے کہا کہ ڈھونڈھ بھائی کوئی بدبودار رہا جنوں اور کسانوں سے بھرا ہوا تھرڈ کلاس اس وقت ڈاکٹر اعظم کریوی کو جو بذلہ سنجی سوجھی تو ہمارے تھرڈ کلاس میں

بیٹھ جانے اور ان کے فرسٹ کلاس میں بیٹھنے پر اُنھوں نے یہ آوازہ کسا کہ اور قہقہے اور شادمانیاں پیدا کیجیے اردو زبان کے بے حس پڑھنے والوں میں اس سے تو عجب خاں سرحدی ہی کی زبان کے ادیب ہوتے تو آج مس بازی میں یوں ناکام دید تو نہ رہتے۔ غرض اس آوازے سے جہاں اردو کے شگفتہ نگاروں کی واماندگی پر افسوس ہوا۔ وہاں ڈاکٹر اعظم ایسے صاحب ذوق و نکتہ سنج دوست کی جدائی کا غم لیکر روانہ ہو گئے۔

اب تو ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ہندوستانی ریلوں کے تھرڈ کلاسوں میں کیا ہوتا ہے۔ اور کیا ہوتا رہتا ہے۔ بس یہی کہ تو آیا اور میرے پاؤں پر بستر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اور میں آیا اور تیرے منہ پر پاؤں رکھ کر سو گیا۔ ادھر ریل کے تھرڈ کلاس کا کرایہ تو جتنا ریلوے کمپنی چاہتی ہے ہر سال بڑھا دیتی ہے اور کونسل کے ارکان اُسے ڈانٹ بھی نہیں سکتے مگر کرایہ پر کرایہ بڑھا دینے کے بعد بھی تھرڈ کلاسوں میں نہ بجلی کے پنکھے بڑھائے گئے نہ اتنی تیز روشنی کی جاتی کہ کوئی لکھا پڑھا مسافر رات کو نیند نہ آنے سے کچھ بیٹھا پڑھتا ہی چلا جائے۔ لہذا دو چار اسٹیشن تک تو رات کو ٹھنڈی ہوا اور کچھ مطلب کے موافق اشعار گنگناتے چلے گئے اور اس کے بعد ڈیڑھ

جگہ میں لیٹ کر سوتے وقت کی توبہ استغفار کو یوں پڑھتے رہے۔ گویا سارا دن گناہوں اور سیہ کاریوں ہی میں گذرا ہے۔ حالانکہ جبل پور کی ایک ایک ٹھنڈی سڑک سے پوچھ لیجیے جو کسی ایک کو بھی دل بھر کے دیکھا ہو۔

القصہ کسی نہ کسی طرح اٹارسی جنکشن پر پہنچے۔ رات بھر اسی طرح سوئی تھی نیند اور بیٹھی نیند کے عوض ایک بیہوشی سی طاری ہو جاتی تھی۔ کیونکہ دس پندرہ منٹ کے بعد پاس والے مسافر کے سر سے سر ٹکرا جاتا تھا۔ اور کبھی پاؤں نہ پھیلانے سے جو درد پیدا ہو جاتا تھا اس کی تکلیف سے آنکھ کھل جاتی تھی یہی حال گاڑی ٹھہرنے والے اسٹیشنوں پر ہوتا تھا۔ ادھر تو ہم بیٹھے بیٹھے خواب میں دیکھنے لگے کہ ایک پری پیکر پری وش اور پری جمال سرہانے کھڑی کہہ رہی ہے کہ اُف ملا رموزی ایسا شگفتہ نگار اور بہار افروز قلم کا مالک اور مجھ سے اتنا دور؟ کہ اچانک مسافروں کی یلغار ہوئی۔ کہ کوئی ہے کہ سر کے پاس ہی اپنا بڑا سا صندوق یوں رکھ رہا ہے گویا اس کے جی میں ہے کہ ہر سونے والے مسافر کا سر توڑ ڈالے۔ کوئی ہے کہ گٹھڑیوں پر گٹھڑیاں ہے کہ ڈبے میں بھرتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی ہے کہ مع بیوی کے اس طرح آکر ڈٹ گیا ہے کہ بیوی کی بغل میں بھی ایک بچہ ہے تو گود میں بھی

ایک بچہ بہران بچوں کو ریل میں نہ نیند ہے نہ موت ۔بس سونے والے مسافروں کے سر پر ہیں کہ بے تحاشا رو رہے ہیں اور سلیقہ یہ کہ اسکی ماں اس چیخ پکار پر بھی اس گھمنڈ سے پڑی سو رہی گویا یا تو وہ حسن و رنگینی اور جمال لطافت کی کوئی دوسری نوجہان ہیں ۔کہ انگریز بھی اگر سوتا دیکھہ لیں تو کچہہ نہ کہہ سکیں گے یا پھر دہقانی بدتمیزی کا آخری ثبوت ہے کہ اولاد چاہے تمام راستہ چیختی جائے ۔مگر جو سوئی ہیں تو سوتی ہی رہیں گی ۔نتیجہ یہ نکلا کہ اٹارسی جنکشن پر کوئی ڈیڑہ گھنٹے تک بیٹھے اونگتے رہے ۔مگر اس اونگنے سے زیادہ تکلیف دہ تصور یہ تھا کہ اب اٹارسی سے گھر تک جو پھر تھرڈ کلاس میں جائینگے تو اس طرح کے مسافروں سے پھر سابقہ پڑیگا جو تمام راستہ بیٹھے اونگتے تو رہیں گے ۔مگر ان کے اندر ہنسی مذاق دل لگی تفریح اور زندہ دلی کی کوئی علامت موجود نہ ملے گی کہ غلامی کے مارے ہوئے دماغ زندہ دلی اور مسرت کے ہر جذبے سے ہمیشہ خالی ہوا کرتے ہیں یقین نہ ہو تو فاتح انگریزوں کے سولجروں کی اسپیشل ریلیں دیکھا کرو جن میں سفر کرنے والے سولجر زندہ دلی مستی تفریح اور خوش مذاقی کا نمونہ ہوا کرتے ہیں ۔مگر ان کے مقابل تم جس مرتبے کے ہندوستانی کے ساتھ چاہو سفر کرکے دیکھہ لو

بس انشاء اللہ میلوں خشکی اور ماتم کا ٹام لوٹ بنا چلا جائے گا۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہنسنے کی کوشش نہ کرے گا۔ اور دوسروں کو ہنسانے اور خوش دل بنانے کی مقدرت تو ہندوستانیوں کو حاصل ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اِن اِن بدمذاقی اور ماتم زدگی کے دلدادہ ہندوستانیوں میں کسی ظریف مضمون نگار کی کوئی قدر ہے نہ کسی پرجوش اہل قلم کی قیمت۔

ناگپور تک

صوبجاتِ متوسط میں زبان اردو کی خدمت سے جب امرائے صوبہ جات متوسط کو بے پروا پایا تو ان کے ذمہ کی اس ذمہ داری کو ملا رموزی جو پورا کرنے چلے اور اپنے ذاتی مصارف سے چلے تو اُن کا دل گھر ہی سے خون ہونے لگا۔ مگر اس مالی اور ذہنی اذیت کو جب ملا رموزی نے برداشت کرلیا تو فطرت و جمال فطرت کے نزہت آرا مظاہر اُس کی تشفی اور ذہنی نوازش کے لئے تیار ہو گئے اور اس طرح خدا کا وعدہ پورا ہونے لگا۔ کہ وہ صابر اور جفاکش بندوں کو آخر کار افسردہ نہیں ہونے دیتا۔

لہٰذا خدا جانے کن تفکرات کو ساتھ لے کر ناگپور میں انجمن اردو کے

کے لئے ریل کی تھرڈ کلاس میں گنواروں کی کثرت سے اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر چوروں کی طرح بیٹھ کر ابھی دو چار ہی اسٹیشن چلے تھے کہ چند مسافر ہمارے ڈبے میں آئے۔ اور سامنے والی نشست پر بیٹھ گئے۔ ان کی ساتھ ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ریشمی گٹھڑی بھی ہے جو کونے میں رکھ دی گئی ہے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ یہ زرتار و زرنگار چیز ہمیں دیکھ رہی ہے اور اس انداز سے گویا وہ چاہتی ہے کہ اگر اس کے ساتھی نہ دیکھ سکیں۔ تو ملّا رموزی بھی اس کی طرف دیکھتا رہے۔ بشرطیکہ وہ نزاکت و نفاست۔ حجاب و شباب حسن و دلنوازی اور جمال و عشوہ گری کا کوئی عالم آشوب نمونہ دیکھنا چاہتا ہے اب بظاہر تو اس نمونہ حیا و حجاب اور جمال و شباب کے دیکھنے میں کوئی چیز مانع نہ تھی۔ الّا تھرڈ کلاس مسافروں کا خوف کہ کہیں وہ ملّا رموزی ایسے شائستہ صورت مسافر کو نہ دیکھ لیں کہ وہ ایک جمال و شباب اور حسن و رنگ میں ڈوبے ہوئے اور زرتار و زرنگار لباس والے مسافر کو کیوں گھور رہا ہے۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ اس طرف دیکھیں تو ضرور مگر اس انداز سے گویا ہم خود تو دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ نظر اٹھتی ہے تو اسی گہوارۂ حسن و شباب

کی طرف۔ ریل کی حرکت سے یوں جنبان نظر آتا تھا۔ گویا ساون کی جھولے
میں کوئی ہے۔ جو مست دبے پروا ہو کر جھول رہا ہے۔ اب یہ بھی ہو سکتا تھا
کہ ہم تھوڑی دیر تک گھور لینے کے بعد تھرڈ کلاس کے لٹھ بند مسافروں کے
ہنگامے اور چلم بازی سے تنگ آ کر سو جاتے۔ مگر قابل بیان نہیں ہماری
وہ بے لبسی کہ جب اس طرف دیکھتے تھے۔ تو دیکھتے تھے حنا۔ کہ رنگ سے
رنگین انگلیاں برائے نام گھونگھٹ کو پکڑے ہیں۔ اور شرم و شوخی میں
ڈوبی ہوئی آنکھیں ہمیں دیکھ دیکھ کر اشارے کر رہی ہیں۔ کہ خبردار
جو سوئے ہو۔ یا نظر ملانے میں کمی کی ہے۔

اب تو دل کی دھڑکن اور نظر کے اضطراب کا یہ عالم کہ جی چاہنے لگا
کہ وہ "انجمن اردو ناگپور" بنے یا نہ بنے ہمیں چاہئے کہ بے ٹکٹ ہی اس مجموعۂ
بہار و شباب کے ساتھ وہاں تک جائیں۔ جہاں اسے جانا ہے۔ بس اگر
ہو گا تو یہی کہ ہمارے خلاف اغوا کا مقدمہ چلے گا۔ اور سارا ہندوستان
کہے گا۔ کہ لیجئے وہ مُلّا رموزی صاحب بڑے پاکباز بنے پھرتے تھے اب بس
اگر یہ ہو گا تو ہم بھی رہا ہو کر یہ سوال چھپوا دیں گے کہ آپ کی قوم نے اپنے
شگفتہ نگاروں کے لئے کہاں کی رنگینیاں اور آسودگیاں جمع فرما دی ہیں

جو وہ مست مسرور ہوکر آپ کی تفریح طبع اور زبان اردو میں حسن ادب کے
جواہر فراہم کرتے رہیں؟

ابھی انھی خیالات میں غرق تھے کہ "پاسبان" سوگیا اب تو اس
طرف سے آزادی کی ایک تبسم ریز انگڑائی لی گئی جس کا یہ مطلب تھا کہ اب
"نظر بازی" آسان ہے۔ مگر بُرا ہو اس مروجہ تہذیب و شائستہ خیالی کا کہ
حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ جی بھر کر دیکھ تو لیں۔ مگر اس طرف یہ بے باکی یہ بے حجابی
گویا کوئی بیٹھا مُلا رموزی کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ کوئی دس دس
منٹ کی کوشش کے بعد ہم نظر کو ہزاروں تدبیروں سے اس طرف پھیر کر
دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اور آپ ہی بتا دیجئے کہ حجاب و شباب
کی ایک جنت کو کوئی چند منٹ میں کس طرح دیکھ لے مگر اس طرف نظر بازی اور
نظر نوازی کا یہ عالم گویا حسن و رنگ اور شباب و مستی کی ایک دنیا لئے ہوئے
جو ریل میں بیٹھے ہیں سو اسی لئے کہ مُلا رموزی کے خیال و دماغ میں عشق
دلگرفتگی کی ایک آگ لگا دیں تو سہی۔ لہذا ہونے لگا کہ گھونگھٹ نے اختصار
اختیار کیا اور حنا بستہ انگلیوں سے ریشم کی دھانی آستین اس طرح ہٹائی
جانے لگی کی مُلا رموزی کو ایک غرق نور کلائی پر طلائی گھڑی اور اس کی

نقرئی چین اتنی صاف نظر آنے لگی کہ وہ اپنی جگہہ پر کلائی کی اس نزاکت و نفاست پر یوں متوجہ ہو جائے کہ پھر اُسے ریلوے پولیس کے سپاہی بھی ڈبے سے اُتاریں تو اُتر سکے۔

اب جب کلائی اور گھڑی اس بے حجابی سے دکھائی جانے لگی تو بی چین نگاہوں سے یوں گستاخ ہونا شروع کر دیا۔ کہ جب دیکھیے ملا رموزی صاحب ادھر ہی جھکے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ مگر دیکھنے والے نے یہ بھی دیکھا کہ ملا رموزی دریائے نور میں ڈوبی ہوئی اس کلائی کو دیکھ کر جہاں مست و مدہوش ہو رہا ہے۔ وہاں وہ بے چین اور بے قرار بھی ہے۔ تو حسن خموش نے وہ حکیمانہ طریق نوازش اختیار کیا جو بالا دستی والوں کا خاص سلیقہ مانا گیا ہے۔ یعنی اب کلائی اور گھڑی کے حسن سے زیادہ حسین مظاہرے ہونے لگے اور اس درجہ کمال حکمت و حجاب سے گویا اس تمام کارروائی میں کسی اہتمام کا دخل ہی نہیں بلکہ جو کچھ کیا جا رہا ہے اتفاقاً اور اضطراراً۔ مگر ملا رموزی کی بے تاب نگاہوں کی تاثیر تھی۔ کہ ان کے حجاب کو بے حجابی سے بدلتی چلی جا رہی تھی۔ چنانچہ اب یہ ہوا اور گویا اچانک ہوا کے جھونکے سے ہوا کہ سر کے معطر بالوں سی گھونگھٹ یکا یک گر گیا جسے فوراً سنبھال لیا گیا۔ مگر دل کہہ رہا تھا کہ اگر ملا رموزی کی

نادیدہ نگاہیں پرستان زادگی کی اس گوہر افروز مثال کے رخِ رنگین پر جو صبا کے ساتھ جمی رہیں۔ تو یہ گھونگھٹ ایک مرتبہ کیا ہزار مرتبہ اٹھایا جائے گا۔ اور اور نام یہ ہو گا کہ کرتی کیا ریل میں تیزی سے آنے والی ہوا سے منہ کھل جایا کرتا تھا۔ چنانچہ مستی اور رعنائی سے دمکتا ہوا گلاب اس گھونگھٹ سے نظر آیا اور اس طرح کہ کبھی کبھی جو کوئی دوسرا مسافر ہمارے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جاتا تو تھوڑی دیر کے لئے حسن و رنگ اور شباب و دوشیزگی کی آگ سے اس دہکتے ہوئے گلاب سے چہرہ پر ساری کا ریشمی حجاب طاری کر لیا جاتا تھا۔ اور مسکرا دیا جاتا تھا۔ یعنی اس وقت کی مسکراہٹ کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ میں کیا کرتی تمہارے پاس والا مسافر بھی تو میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے منہ چھپا لیا۔ تم سے حجاب کروں تو جوانی کی قسم۔

اب یہاں سے دماغ نے فیصلہ کیا کہ یوں تو تھرڈ کلاس مسافروں کے حق میں بڑے اسٹیشن کا آنا اس لئے نعمت ہوا کرتا ہے کہ اتر کر پانی۔ پوری بیڑی۔ سگریٹ۔ چنے دال موٹ اور لمبی لمبی جمائیاں اور انگڑائیاں لے لیا کرتے ہیں۔ مگر آج ہمارے حق میں ہر بڑا اسٹیشن اس لئے مصیبت بن جاتا تھا کہ گاڑی کے دیر تک ٹھہرنے اور تھرڈ کلاس مسافروں کی

قحط زدہ تعداد سے کہیں پورا پاسبان" بیدار نہ ہو جائے۔ مگر خدا سمجھے ان انگریزوں سے کہ ہر اسٹیشن پر جتنے منٹ کے لئے گاڑی ٹھہرانے کا ضابطہ مقرر کر دیا ہے لاکھ ملا رموزی کہیں کہ جلد گاڑی روانہ کرو کہ انہیں کچھ کام ہے۔ مگر انگریز گاڑی نہ چلائیں گے۔ بے سمجھ کہیں گے۔

بارے ہم نے یہ کیا کہ جہاں بڑا سا اسٹیشن آیا اور ہم یوں لیٹ گئے۔ گویا بڑی گہری نیند میں ہیں۔ مگر دل و دماغ کی اس محبوبانہ تاریکی پر قربان ہو جائے کہ جہاں کسی اسٹیشن پر بہانے کے طور پر لیٹ جاتے۔ اس طرف بھی ایک سرخ شال اوڑھ کر کوئی یوں لیٹ جاتا کہ اگر کوئی دریافت بھی کرے تو کہہ دیا جاتا کہ "میں خود سو رہی تھی" مجھے کیا خبر کہ ریل اسٹیشن پر کتنی دیر کھڑی رہی ؟ اب جو ریل روانہ ہوتی تو ہم تیزی سے اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ مگر اس طرف حجاب چلا کر کہتا تھا کہ اتنی ہی تیزی سے میں بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تو ملا رموزی سمجھ لے گا کہ میرے ہی دل کی خموش تاثیر سے یہ بھی اٹھی ہے۔ لہذا اس وقت دیکھنا کوئی اس طرف کی انگڑائیاں، مگر جذبات انگیز جوانی کا برا ہو کہ ملا رموزی کی خاطر لاکھ بہانوں کے بعد بھی اٹھنا ہی پڑتا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی وہ اٹھنے کی محبوبانہ خفت یوں مٹائی جاتی تھی کہ دیر تک ہماری طرف

دیکھنے کے عوض کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا جاتا تھا گویا کوئی سوال کرتا تو کہدیا جاتا کہ میں اُٹھی ہی اس لئے تھی کہ ریل سے باہر کا منظر دیکھوں مجھے کیا خبر کہ اس ڈبے میں بیٹھے ہوئے مُلّا رموزی کون ہیں؟

اب آپ کا خیال ہو گا کہ یہ رنگین و دلنواز سلسلہ اپنی تمام رعنائیوں اور دلنوازیوں کے ساتھ ایک دل پسند قربت کی طرف بڑھ رہا ہو گا۔ مگر اس حسین انتظار کو ایک آہ پر یوں ختم کیجیے کہ ہماری ریل بدلنے والا اسٹیشن آگیا۔ اور ہم اس لئے یہاں اُتر گئے کہ ریلوں میں ایسے دل شکن سلسلے صرف اسی حد تک چھڑ جاتے ہیں۔ کہ اپنے اپنے شہر کے اسٹیشن پر دونوں کلیجہ تھام کر اُتر جاتے ہیں۔ اور بس۔ لیکن اگر افسردہ دلی اور مایوسی سے تھکا ہوا مُلّا رموزی کسی سفر میں اپنی منزل مقصود چھوڑ کر کسی دوسرے اسٹیشن پر اُتر جائے تو سمجھ لیجیے گا کہ کوئی جادو اثر اشارہ پایا ہو گا۔ اس لئے اُتر گیا تو کیا گناہ کیا۔

اب جمال و محبوبیت کے کسی حور وش ہمراہی سے جدا کر کے جب کوئی مزدور آواز دے کہ اسٹیشن اٹارسی، ناگپور جانے والی گاڑی تیار ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس قلی کا گلا دبا کر کہدیا جائے کہ اسے مرگی کا عارضہ تھا

خود گر کر مر گیا۔ لہذا اُترے اور خدا جانے کس طرف اُترے۔ اور ناگپور
جانے والی پسنجر ٹرین کے قریب پہنچتے ہی اندازہ کیا کہ بغیر وفات حسرت
آیات کے اس ریل سے باہر نہ آئیں گے۔ یعنی یو۔پی میں تعلیم و تربیت
پایا ہوا مُلّا رموزی اصحابِ علم و فضیلت کی شائستگی آموز صحبتوں میں رہنے
والا مُلّا رموزی فطرت وجمالِ فطرت پر تنقیدیں لکھنے والا مُلّا رموزی اور
پری زادوں اور پری جمالوں کے خونریز اشاروں پر مر مٹنے والے مُلّا رموزی کو
جب آپ مرہٹی زبان بولنے والے ننگ دھڑنگ گنواروں کی ریل میں
بند کر کے فرمائیں کہ جائیے اور ناگپور میں "انجمن اُردو" بنا آیئے تو ایمان سے
کہیئے کہ غریب مُلّا رموزی کو اپنی وفات کا یقین ہوگا۔ یا کسی نئی جوانی کا تصوّر!
لہذا ناگپوری پسنجر میں جو بیٹھے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ ایک ایک لمحہ
اردو کی شاعری کا اس حشر کے برابر کا محسوس ہوتا تھا۔ جس دن حسینانِ
ہند اور بعض پولیس والوں کو ان کے مظالم کا مزا چکھایا جائے گا۔ یعنی پانی جو
برس رہا تھا۔ تو مرہٹی زبان کے یہ گنوار اپنی پانی سے بھیگی ہوئی چٹائیوں اور
کمبلوں سمیت ہمارے برابر اس خوبصورتی سے آکر بیٹھ جاتے تھے گویا ہم بھی
مہاراشٹر کے بڑے اونچے گنوار ہیں۔ پھر اگر یہی ہوتا تو غم نہ تھا۔ کہ تھرڈ کلاس میں

سفر کرنے کے معنی ہی شائستگی اور بلند خیالی کا خون کرنا ہے۔ مگر ستم تو یہ تھا کہ یہ گنوار ابن گنوار ہم سے مرہٹی زبان میں اس تیزی سے باتیں کرتے تھے گویا خدانخواستہ ہماری مادری زبان بھی مرہٹی ہے۔ اب اگر زبان اردو کے مضمون نگار کو کسی دوسری زبان کے حسن و قبح پر کچھ کہنے کا حق حاصل ہے تو صاف کہتے ہیں کہ ناگپور کے ادب نواز بھائی اگر ہزاروں روپیہ نذرانہ دے کر بھی مُلّا رموزی کو ناگپور آنے کی دعوت دیں تو ممکن ہے کہ ہم محض اس لیے جانے سے انکار کر دیں کہ راستہ میں مرہٹی زبان بولنے والے پھر مل جائیں گے تو پھر کون ہے جو اپنی کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان اردو کی سماعت کو ان سے برباد کرے۔

پُر لطف اور بہت آزما بات یہ تھی کہ ہم گھر ہی سے ملیریا میں مبتلا روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے سر کا درد چاہتا تھا کہ ریل میں آرام ملے۔ مگر ناگپور کے گنواروں نے بھی قسم کھائی تھی کہ جتنی زیادہ تعداد میں ہوسکے گا۔ آج ہی ہم بھی اس ریل میں سفر کریں گے لہذا اٹارسی سے ناگپور تک جتنے چھوٹے اسٹیشن بنائے گئے ہیں۔ ان میں کا ایک ایک اسٹیشن آج جنکشن کا مزا دے رہا تھا۔ اور ہر اسٹیشن سے گنواروں کے قافلے کے قافلے سوار ہوتے تھے۔ یہاں تک

کہ شب کے کوئی تین بجے تک مسلسل بے آرام رہنے پر بالآخر بے ہوش سی ہو گئے جیسے گنواروں نے سمجھا ہو گا کہ "ملّا رموزی صاحب سو گئے۔

الحمدللہ کہ صبح کے ٹھیک پانچ بجے کوئی بیس پچیس گنواروں کا اس زور سے حملہ ہوا کہ بیدار ہی نہیں۔ بلکہ اُٹھ کر بیٹھ جانا پڑا۔ وہ تو غنیمت ہی کہئے کہ ہمارا بستر ذرا خوبصورت تھا۔ اور جھالردار تکئے۔ جن کے رئیسانہ رعب سے یہ گنوار آگے نہ بڑھے۔ ورنہ ان میں کے ہر ایک نے تمام سوتے ہوئے مسافروں کو یہ کہہ کر اُٹھا کر بٹھا دیا کہ اب صبح ہو گئی اب زبان اردو کے خلوص سے نہیں بلکہ صبح کی نماز پڑھ لینے کی برکت سے ملیریا کا اثر کافور ہو چکا تھا۔ ایک اسٹیشن پر جائے جو پی لی تو معلوم ہوا کہ ایک عادی چرس نوش کو کسی نے چرس یا گانجے کی ایک پوری چلم پلا دی۔ اس لئے مزاج میں قدرے جولانی جو محسوس ہوئی تو "ریلیاتی" "مناظر" دیکھنے میں مصروف ہو گئے

بُرہان پور میں

برادرم سید حفیظ الدین صاحب شوقی، بی۔ اے نے لکھ دیا تھا کہ بُرہان پور میں "ملّا رموزی" ایک مشاعرہ کے صدر بھی بنائے جائیں

لہذا ملا رموزی اپنے گھر میں تو کبھی اتنا خوش دماغ رہتا نہیں۔ کہ وہ کوئی بہار افروز اور محبوب اندوز غزل کہہ سکے۔ ادھر ملا رموزی کی شاعری بھی بالکل ہی تازہ ہے۔ اس لئے اب ریل ہی میں غزل کہہ سکتے تھے۔ تو اول تو تمام رات مسافروں کی علمی تحقیق میں جاگے۔ صبح کو برادرم بشیر احمد جالندھری نے اپنی پرخلوص چائے اور انڈوں سے ثابت کر دیا۔ کہ اگر جالندھر سے ملا رموزی کو شکایت ہے۔ تو حسن صولت جالندھری اور میں بشیر احمد جالندھری اسے رفع کرنے کے لئے پیدا ہو چکے ہیں۔ لہذا چائے نوش فرماتے رہئے۔

اب اس حالت سے جو پارسل اکس پریس سے از کھنڈوا برہانپور سفر شروع ہوا تو ہمارے دماغی تھکن کے ایک ایک آدمی کے دو دو آدمی نظر آرہے تھے۔ اور بارش نے جو فردوسی مناظر پیدا کر دیئے تھے وہ بھی میونسپلٹیوں کی گندہ نالیاں نظر آرہے تھے جن کا انتظام نااہل ہندوستانیوں سے کسی جگہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پنسل اور کاغذ ہاتھ میں تھا۔ اور غزل آسمان پر۔

مگر حسن شاعری کہ کھنڈوا سے چل کر چالانی کے اسٹیشن پر نصف گھنٹے

کے لیئے ہماری ریل یہ کہکر روک دی گئی۔ کہ کلکتہ میل گزر رہا ہے اس لئے
پلیٹ فارم پر چہل قدمی کو جو اترے ہیں۔ تو ہمارے ہی ڈبے کے برابر
دالے ڈبے میں۔ قوم ہندو اور عمر چودہ سال اُدھر شباب وا جوانی
وہ گویا ما ہیرے کی نازک ترین بوتل میں گلابی رنگ کی شراب بھردی گئی ہے
اور وہ بھی اتنی تیز جو بوتل توڑ کر اڑ جانے کے لئے بے چین ہے۔ بس پہاڑ
بن گئی وہ ہماری غزل وزل اس بری طرح ہم کھڑے کے کھڑے رہ گئے
کہ اگر کوئی سمجھ جاتا۔ تو فوراً بد احتیاطی کی دفعہ میں چالان کر دیتا۔
اب جو منٹ دو منٹ میں حواس درست کر کے مردود مسافروں سے
نظر بچا کر اس طرف دیکھا تو شوخی وجوان، سادگی، مستی اور دلفریبی کا معاملہ
ماذا اللہ کی حد سے گزر چکا تھا' امان وہ ایک مرتبہ نہیں دس مرتبہ تم مجھے
"نظر" کہو۔ مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ جب دیکھا تو اس طرح کہ بے ساختہ مسکرا کر
نظریں جھکالیں۔ پھر اگر اتنا ہی ہوتا تو ہم بھی برسوں سے بے آب و گیاہ
مر رہے ہیں۔ استغفر اللہ کہکر رہ جاتے۔ مگر وہاں یہ حال کہ جوانی شرارتوں
اور عشوہ سازیوں میں یوں مصروف تھی کہ اگر اس وقت ہم بوڑھے سے
سٹیشن ماسٹر بھی ہوتے تو محبوبیت اور دلنوازی کی ان چاردہ سالہ نسول

سازیوں میں یوں کھو جاتے کہ ہری جھنڈی ہلانا بھول جاتے اور آنے والا میل کہیں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ پھر جو لوگ "آنکھ لڑانے" کے اثرات کو سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ دونوں میں یہ جذبہ کتنا بیدار ہو جاتا ہے کہ ایک بے خود بنا دیکھتا رہے۔ اور دوسرا جوانی شباب ہستی، دلبری اور دلربائی کی تمام شوخیوں سے کام لیتا رہے۔ لہذا یہی ہوا کہ کبھی حنا بستہ انگلیوں سے ریل کی کھڑکی کے اوپر اس طرح کے نشانات بنائے جانے لگے۔ گویا کچھ لکھا جا رہا ہے۔ جیسے مُلّا رموزی کو پڑھ لینا چاہیئے کبھی نورانی نفاستوں اور دلنواز نزاکتوں میں ڈوبے ہوئے ہاتھ کو اس طرح حرکت دی جاتی تھی گویا کہا جا رہا ہے کہ اگر اس اٹھتی ہوئی جوانی کی وجد انگیز و بہا افزا ادائیں پسند ہیں تو میرے ساتھ میرے وطن تک چلو پھر وہاں سن لیں گے۔ جو تم کہو گے۔ مگر مُلّا رموزی اب بھی کسی قدر وقار الملک زاہد علی بنے کھڑے تھے۔ تو ان کے زہد و تقا کو اس طرح برباد کیا گیا۔ کہ کسی بہانے سے ریل میں کھڑے ہو کر ایک انگڑائی لی گئی جس میں مُلّا رموزی کی نگاہوں کو اس سینے کے اندر جذب ہو جانے کی اجازت تھی۔ جس کے اسرار و اثرات کو سمجھ لینے کے بعد اصحاب وجد و کیف بیان کی قابل نہیں رہتے۔ لہذا سن لیجئے کہ برہانپور کا اسٹیشن آ گیا۔

ہندوستان میں انگریزی قوم کے غالب اور حکمراں ہو جانیکے بعد
جہاں اور بے شمار چیزیں ہندوستان پہونچ گئیں آپریشن بھی اسی
قوم کی لائی ہوئی ایک بلا ہے یا دولت ،،

یعنی آپریشن وہ طریقۂ علاج ہے جس میں کوئی خاص سرخاب کا پر تو
نہیں ہے بلکہ یہ طریقۂ علاج وہی ہے جو عرب اور ایران کے مسلمانوں کے
صدقے صدیوں سے چلا آتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ عرب اور ایرانیوں کی
شاعری میں آپریشن کے لئے جراح فصاد اور مرہم کے الفاظ استعمال کئے
گئے ہیں اور انگریزوں کے ہاں مفتوح قوموں سے جمع کی ہوئی بے شمار
دولت کے باعث اس علاج کو بے حد حسین بنا دیا گیا ہے لیکن زخم کو
چیرنے اور کاٹنے سے اوتنی ہی سوزش اب بھی پڑتی ہے جتنی پرانے
زمانے کے فصاد اور جراح کے کاٹنے سے پڑتی ہے، فرق یہ ہے کہ
اوس زمانیکے فصاد مریض سے بالکل اور صاف صاف کہدیتے تھے،
کہ اگر بہادر ہو شجاع اور دلیر ہو مجاہد اور غازی کی اولاد ہو تو بیٹھے رہو

ہم تمہارے زخم کو چیرتے ہیں اور اس زمانے کے ڈاکٹر کہتے کہ بس اس
لمبی بنچ پر لیٹ جائیے آپ کو معلوم بھی نہ ہوگا ذرا یہ کلورا فارم عرف
بے ہوشی کی دوا سونگھ لیجیے لہذا آپ جب بے ہوش ہو جاتے ہیں تو یہ
لوگ آپ کے زخم کو جتنا اور جدھر سے چاہتے ہیں کاٹ کر رکھدیتے ہیں
پھر یہی نہیں بلکہ آپ کی بیوی بچوں سے پہلے اسٹامپ پر لکھوا لیتے ہیں
کہ اگر آپ کا مریض ہمارے کاٹنے سے مر جائیگا تو تم لوگ رو رو کر تو مر جانا
مگر ڈاکٹر پر کوئی دعوی نہ کرنا، اس کے بعد ان لوگوں کے پاس ان کے
جیتے ہوئے ملکوں سے جو کافی سے زیادہ دولت ملی ہے تو یہ دواؤں
اور کاٹنے پھاڑنے کے اوزار پر خوب روپیہ صرف کرتے ہیں اور ان
عمدہ عمدہ چمکدار نشتروں سے زخم کاٹتے ہیں کہ اگر تکلیف نہ تو ان اوزاروں
کے خوبصورتی دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ ان حسین اوزار سے تمام جسم

کٹوا کر پھینک دیں مگر منہہ سے اُف تک نہ کہیں۔

پہلے زمانہ میں فصاد اور جراح کی حالت یہ تھی کہ یہ لوگ ہمارے ہی ملک کے ہوتے تھے اس لئے ہم ان کی عادتوں سے واقف ہوتے تھے اور یہ لوگ ہم سے واقف ہوتے تھے اس لئے جہاں آپ نے کسی جراح سے جھوٹ کو بھی کہدیا کہ میرے زخم میں بڑی تکلیف ہے تو جراح خود ہی دوسرے دن آپ کے گھر پر حاضر ہو کر نہایت ادب سے آپ کو سلام کرتا تھا مزاج دریافت کرتا تھا گھر کے تمام بچوں کا نام لے لے کر اون کی خیریت دریافت کرتا تھا پھر دنیا بھر کی باتیں کرنے کے بعد بڑی نرمی سے آپ کے زخم کا تذکرہ شروع کرتا تھا اور لفظ لفظ میں یقین دلاتا جاتا تھا کہ انشاءاللہ معلوم بھی نہ ہوگا اور زخم اچھا ہو جائیگا پھر زخم کو چیر کر جبتک کہ وہ اچھا نہ ہو جاتا تھا جراح روزانہ آپ کے گھر پر اس انداز سے حاضر ہوتا رہتا تھا گویا وہ آپ کے باوا کا نوکر ہے پھر جب آپ کو شفا ہو جاتی تو آپ کو اختیار تھا کہ اس کے صلے میں جراح کو ڈہائی سیر گیہوں دیدیں یا ایک گھوڑا وہ غریب ہر چھوٹے سے چھوٹے انعام پر اٹھارہ مرتبہ سے سوا سلام کرکے چلا جاتا تھا اور آپکے دئے ہوئے

انتظام کی دس جگہ تعریف کرتا تھا۔

لیکن یورپ سے جو لوگ ڈاکٹر بن کر آئے تو اول وہ ہمارے ملک کے نہیں تھے نہ یہاں کی وہ زبان سے واقف نہ یہاں کے اخلاق و آداب سے واقف ادھر وہ تھے فاتح قوموں کے ڈاکٹر اون کے پاس ہم لوگوں کے . . . . محصول اور مال غنیمت کے نام کی دولت بھی خاصی تھی اس لئے آئے بھی تو بادشاہوں کی شان سے لہذا پہلے تو ہم لوگ اون کے زرق برق لباس اون کی موٹروں اور موٹر سائکلوں ہی سے ڈرے۔ پھر اون کی زبان نہ سمجھنے کے باعث اون سے سہم گئے پھر اون کی عادتوں سے ناواقف ہونے کے باعث اون کی ہر بات کو مارے ڈر کے سرکار کا حکم سمجھ کر کانپنے لگے۔ لہذا ان لوگوں نے جو دیکھا کو ہندوستانی تو صرف ڈرنے لرزنے کانپنے اور مارے وحشت کے دنیا جہان کے ہر حکم کو مان لینے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے تو اونہوں نے بھی دل کھول کر اور جان بوجھ کر نئی نئی عادتیں اور بے ضرورت رعب ڈالنا شروع کیا۔ بس حد ہو گئی کہ ان کے اس طریقے کا یہ اثر ہے کہ آج تک ہندوستانیوں کے شریف اور اونچے گھرانوں کی عورتیں تک ڈاکٹروں کے

نام سے گھبراتی ہیں اور جہاں تک اونہیں فائدہ ہوتا ہے وہ حکیموں کو چھوڑ کر ڈاکٹروں کا نام تک نہیں لیتی ہیں۔

یہ تو اوس وقت کا قصہ ہے جب غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے انگریز لوگ پہلی مرتبہ ہندوستان پر قابض ہو رہے تھے اور ان کے ملک انگلستان سے نئی نئی چیزیں ہندوستان آتی جا رہی تھیں۔

اب جب سارے ملک ہندوستان پر ان کا قبضہ ہو گیا تو اب ہندوستانیوں کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم لوگ انگریزوں کی زبان اور اون کی باتیں نہ سیکھیں گے تو مارے بھوک پیاس کے کل کے عوض آج ہی مر جائیں گے تو اب ہندوستانیوں میں سے بھی اکثر نے ڈاکٹری علم پڑھا اور ڈاکٹری شروع کر دی مگر تھے فطرتاً ہندوستانی انہوں نے جو انگریزوں کی زبان اور اون کی باتیں سیکھیں تو یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بن گئے یعنی لباس اور باتیں تو خالص انگریزوں کی حاصل کر لیں مگر مزاج قدرتاً وہی ایشیائی رہا اس لئے ان کو ہر کام میں ادھورا پن اور الٹا پن پیدا ہو گیا۔ مثلاً جس موقع پر انگریزوں کے ڈاکٹر ہندوستانی مریضوں کو ڈانٹتے تھے یہ بے چارے اپنے آدھے ہندوستانی

اور آدھے انگریزی پن کے باعث اوس جگھ تو رہتے ہیں خموش اور جس موقع پہ
انگریز ڈاکٹر محبت اور شفقت کا اظہار کرتے ہیں وہاں یہ ہندوستانی ڈاکٹر
مریض کو ڈانٹ ڈانٹ کر نیم مردہ کر دیتے ہیں اس لئے جس طرح ہندوستانی
خالص انگریز ڈاکٹر کے نام سے بھاگتے ہیں اوس سے ہی سوا یہ ہندوستانی
ڈاکٹروں کو گالیاں دیتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ضرورت کے باعث ان کے
منہہ پر یہ کہدیں کہ ڈاکٹر صاحب آپ کے آنے سے تو گھر بھر کی رونق ہوجاتی ہے
مگر جہاں ہندوستانی ڈاکٹر فیس لیکر گھر گیا کہ بچہ بچہ اسے خوب کوستا ہے۔
اور سب سے بڑا کمال تو یہ ہے کہ آج تک ۹۵ فیصدی ہندوستانی تو ڈاکٹر
کے حالات اور اس کے قاعدوں سے واقف ہی نہیں اور اسے اپنی حق میں
بھوت ہی سمجھتے ہیں اور خدا کرے سمجھتے ہی رہیں۔
القصہ ان حالات میں ہماری جو شامت آئی تو ہم اس قسم کے بیمار ہو گئے

. . . .

کہ آپریشن کی زد میں آنا پڑا یعنی بیمار یہ ہوئے کہ ہمارے چہرہ پر ایک مہاسہ ہوکر
ایک دانے کی طرح خشک ہوگیا اور بس، چونکہ انسان قدرتاً حسن پر حریص ہے
اس لئے چہرے کی صفائی بگڑنے سے ہمیں رات دن غم ستانے لگا، دنیا

بھر کی دوائیں استعمال کیں مگر کوئی افاقہ نہوا، دانا خشک ہوکر اگر غیر اذیت رساں ہوگیا تھا مگر جب کسی آئینے کو دیکھ لیتے تھے تو اپنے چہرہ کے بدنما ہونے پر اُتنا ہی غم ہوتا تھا جتنا ایک رنڈی کو اپنے چہرہ کے بگڑ جانے کا صدمہ ہوا کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ ہم تو اس دانے کے علاج سے مایوس ہوگئے مگر ایک ذی مرتبہ مہربان نے اس بدنمائی دور کرنے کا ایک یہ طریقہ بتایا کہ آپریشن کی یہ بدنمائی عمر بھر کے لئے دور ہوسکتی ہے، ادھر ہمیں یہ غم ہر وقت ستاتا ہی رہتا تھا کہ اگر ہمارے مضامین کی گلزار افروز لطافتوں اور فردوس آرا رعنائیوں نے بدمذاق مسلمانوں میں ہماری امداد و سرپرستی کا کوئی عملی جذبہ پیدا نہیں کیا ہے تو ہماری صورت کا حسن ہی ہمیں کسی دن اس قابل کر دیگا کہ کوئی اپنے شباب و جمال کی بھڑکتی ہوئی آگ سے دنیا کو جلا دینے والی ہمارے مردانہ حسن و جمال پر سو نہیں تو بچاس جان سے ہمارے اوپر فریفتہ ہوکر ہمارے ساتھ اس طرح فرار ہوجائے گی کہ اپنے مال دار باوا کا ہزاروں روپیہ بھی ساتھ لے گی اور کسی شہر میں جاکر ہمیں کوٹھیاں اور موٹریں خرید کر آزاد کر دیگی تاکہ ہم مالی مشکلات سے فارغ ہوکر پھر وہ لکھتے رہیں جو دنیا کو نئے سر سے

سرسے جوان بنا دے۔

اب بتائیے کہ جس شخص کو یہ یقین آجائے کہ اوسے اوس کے اپریشن کے بعد ہی وہ حسن ملے گا کہ اوس پر کوئی مہ پارہ عاشق ہو کر اوسے بمبئی اور کلکتے میں لاکھوں روپیہ کی کوٹھیاں خرید دیگی اور وہ مالی مصائب کے مسلسل عذاب سے نجات پاکر ایک مرتبہ پھر جوان ہوجائیگا وہ آپریشن کے لئے کتنی عجلت اور مستعدی سے کام لے گا۔ مگر اللہ شاہد ہے اس حقیقت پر کہ کوئی ایک سال گزر گیا مگر ہمت نہ ہوئی کہ آپریشن کے لئے تیار ہوجائیں۔

بس جب بھی ارادہ کرتے تھے تو ان خیالات میں ڈوب جاتے تھے کہ اگر آپریشن میں مرگئے تو یہ تو نہ ہوگا کہ ہمارے ضعیف والدین ڈاکٹر ہی کو پھانسی پر چڑھا کر چند لمحے قلبی سکون حاصل کرلیں گے یہ بھی تو نہ ہوگا کہ ہمارے متعلقین کا کوئی سرکاری وظیفہ مقرر کردیا جائیگا جبکہ بے شمار آپریشنی مردے قبر ہی میں پہونچ گئے مگر تین دن کے سوا اون کا تذکرہ بھی دنیا میں نہ رہا اور بھوکے مرتے پھر رہے ہیں اون کے متعلقین۔

یہ بھی تو نہ ہوگا کہ کوئی انجمن حمایت اسلام قسم کی انجمن ہمارے

متعلقین کا وظیفہ مقرر کردے گی جب کہ پورے ہندوستان میں ایک مجلس بھی اس مقصد کیلئے قائم نہیں ہے جو اردو کے بے زر و مال خدام کے متعلقین کو پنشن دینے کے لئے بنائی گئی ہو، اچھا یہ کچھ بھی نہوا بلکہ ہمارے عبوض خود ڈاکٹر ہی مر گیا اور ہم اچھے ہوگئے تب بھی یہ تو یقینی بات ہے کہ آپ ریٹائر ہونے پر خدا جانے ڈاکٹر کس قسم کا اور کن چیزوں سے پرہیز کرنے کو کہے گا اور ہم سے نہ ہو سکا تو؟

کیونکہ انسان کی یہ مانی ہوئی عادت ہے کہ وہ لفظ پرہیز کی خلاف چلتا ہے اور ایک بیماری کے زمانے والے پرہیز ہی کا کیا جس جگہ اور جس بات سے پرہیز کو کہئے۔ انسان اور اوس کی بیوی دہی کرتا ہے اور وہی کرتی ہے جس سے ان دونوں کو منع کیا جائے وہ دیکھئے نا کہ آج کل کی . . . . نوجوان لڑکیوں کو جو معلوم ہوگیا ہے کہ پہلے زمانے میں شادی ہوجانے سے پہلے اشراف اپنی لڑکیوں کو آرائش اور فیشن کی نزاکتوں سے دور رکھتے تھے تو اب دیکھ لیجے کہ لڑکیاں اسکول بھی جاتی ہیں تو ریشم اور سلک کے برقعے اوڑھ کر پینٹ اور پاؤڈر لگا کر، کیپ اور فینسی چوڑیاں پہن کر پھران لڑکیوں سے

کہا گیا کہ شادی ہو جانے سے پہلے کنواری لڑکیاں گھر کے دروازہ کے پاس بھی
نہیں آتی تھیں تو اونہوں نے یہ کیا کہ شہر لاہور سے قصبہ ماڈل ٹاؤن تک اور
امرت سر سے لاہور تک مردوں کی لاری میں بیٹھ کر جانا شروع کر دیا، پھر
انہیں معلوم ہوا کہ پہلے زمانے میں کنواری لڑکیاں دروازہ سے جھانکتی نہیں
تہیں تو اب اونہوں نے والدصاحب ہی کے موٹر میں بیٹھ کر جھانکنا شروع
کر دیا چنانچہ آپ دیکھ لیجے گا کہ جس موٹر میں پردے باندہ کر اس زمانے کی لڑکیاں
جا رہی ہوں گی وہ موٹر کے پردے اوٹھا اوٹھا کر یا موٹر کے پیچھے والے شیشے
میں سے جھانکتی جا رہی ہوں گی اور بعض تو اشارے تک کرتی جاتی ہیں
اور موٹر ڈرائیور سے مذاق کرنے سے تو چوکتی ہی نہیں ہیں، پھر انہیں معلوم
ہوا کہ پہلے زمانے میں شادی ہو جانے سے پہلے لڑکیاں مہمان تک نہیں جاتی تہیں
تو اب اونہوں نے سینما کا تماشہ تک دیکھنا شروع کر دیا اور بعض تو مردانہ
لباس میں سینما کے اندر پکڑی گئی ہیں۔

اسی طرح آج کل کے مردوں کو معلوم ہوا کہ پہلے زمانے کے مرد عورت کو
زیادہ سر نہیں چڑہاتے تھے تو اس زمانے کے مردوں نے یہ کیا کہ یورپ
والوں کی نقل میں اپنی عورت کو موٹر میں سیدہی طرف بٹھانا شروع کر دیا

اور تو اور آج کل کے پچاسوں مرد اپنی بیوی کو رات کے وقت مردانہ سوٹ پہنا کر سینما میں بے حیا تے ہوئے ہم ملا رموزی بقلم خود کے سامنے سے گذرے ہیں اور ہم نے ان کی حماقت پر قہقہہ لگایا ہے اور اپنے ساتھ کے غنڈوں سے کہا ہے کہ تم بھی قہقہہ لگاؤ۔

ہدایت

یہ کتاب اخبارات کو ریویو کے لئے نہیں بھیجی گئی ہے اس لئے کوئی صاحب اس پر اخباری رائے کا انتظار نہ فرمائیں "

جو صاحب اس کتاب کو کسی ایجنٹ سے خرید فرمائیں اونہیں چاہئے کہ وہ اپنا مستقل پتہ صاف خط میں لکھکر ہمیں بھیجدیں تاکہ آئندہ ہر نئی کتاب کی اونہیں اطلاع دیجا سکے کیونکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو ایجنٹ اس کتاب کو فروخت کرتے ہیں وہ دوسری کتاب کے وقت ایجنٹ نہیں رہتے۔

ملا رموزی ۔ بھوپال "

غرض قصہ کون کہے کہ اب یہ فکر پیدا ہونے لگی کہ اگر آپ روشن خیالی پر

ڈاکٹر نے کسی چیز سے پرہیز کو کہا تو یقیناً ہم ایسا نہ کریں گے اور گھر والوں کی نظر بچا کر کوئی نہ کوئی چیز ایسی کھا لیں گے کہ آپریشن سے اچھے ہونے سے پہلے کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہو کر اگر اوسی دن مر بھی نہ گئے تو کم از کم "مردہ نما" ضرور ہو جائیں گے۔"

اچھا تو یہ بھی سہی کہ ڈاکٹر نے کوئی پرہیز نہ بتایا اور انگریزوں تک کو کھا جانے کے لئے اجازت دیدی تب بھی یہ تو ضرور کہے گا کہ دیکھئے ملا صاحب اب چند دن تک لکھنا پڑھنا بند رکھئے گا، ہلئے گا نہیں۔ بس لیٹے رہئے گا کسی دوست آشنا سے ملاقات نہ کیجئے گا کھانسی کے وقت منہ بند رکھئے گا زیادہ زور سے قہقہہ نہ لگائے گا، بستر پر تین تکیوں کے عوض ایک اوپر دس تکئے لگائے گا، نہایت صاف اور قیمتی چادر بستر کے اوپر بچھائے گا تاکہ آپریشن کا حال دریافت کرنے والے آئیں تو آپ کے مالدار ہونے پر یقین کر سکیں بستر کے قریب ہی ایک میز پر تازہ نارنگیاں، سیب، انگور، اس طرح رکھ دیجئے گا کہ جی چاہنے پر بھی نہ کھائیے گا اور نہ گھر کے بچوں کو کھانے دیجئے گا صرف اس لئے ان پھلوں کو رکھ دیجئے گا کہ مزاج دریافت کرنے والے لوگ دیکھیں کہ ہاں ڈاکٹر نے آپ کو اتنے قیمتی پھل کھانے کو

بتائے ہیں اسی پھلوں والی میز پر دو چار شیشیاں رکھ لیجئے گا تا کہ معلوم
ہو کہ آپ کو یہ دوائیں پینے کو بتائی گئی ہیں بس اس طرح کی ایک آراستہ
میز کے پاس مسہری لگائے پڑے رہیئے گا کہ آج کل کے یورپ زدوں اور
فرنگی پرستوں کے بیمار ہونے اور علاج کرانے کا یہی فیشن ہے ۔
مگر ہم سوچتے تھے کہ اگر ڈاکٹر نے ہمیں ان قاعدوں پر پابند ہونیکا
مشورہ دیا تو بس اتنا تو کرلیں گے کہ ڈاکٹر صاحب کے آنے پر اونہیں سب
کچھہ بتا دیں گے لیکن اون کے جانے کے بعد ہی تمام گھر کے بچوں کو
گود میں بھی بٹھائیں گے اور کاندھے پر بھی، بیوی پر چلا چلا کر غصہ بھی کرینگے
اور مرغام عبو ق بھی لکڑی لیکر دوڑیں گے اور یہ تو کبھی بھی نہو گا کہ ڈاکٹر صاحب
ہمیں دیکھ کر چلے جائیں اور ہم میز پر رکھے ہوئے سیب ۔ انار، نارنگی،
اور کیلوں کو چھوڑ دیں اور ان پر ہاتھ صاف نہ کریں، یہ بھی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر
کے جانے کے بعد ہم دوا پینے یا لگانے پر سو نخرے نہ کریں، منہ نہ بنائیں
ایک آدھ گھر والے پر پانی کا گلاس نہ پھینک ماریں، یہ بھی نہ ہوگا کہ
ڈاکٹری دوا نوش کریں اور بستر کی چادر کو خراب نہ ہونے دیں، یہ بھی نہو
کہ پرہیز کا کھانا مسہری ہی پر کھلتے رہیں اور باورچی خانے سے کھانوں کی

عمدہ عمدہ ہوائیں اور خوشبو آنے پر ایک مرتبہ بھی باورچی خانے میں جا کر ترکاریاں نہ دیکھیں یہ بھی نہ ہوگا کہ تمام گھر آدھی رات کو سو رہا ہو اور ہم آہستہ سے اوٹھکر باورچی خانے سے کچھ غیر پرہیزی چیزیں نہ اُڑا دیں، یہ بھی نہ ہوگا کہ بیوی کو پاس بٹھا کر یہ نہ کہیں کہ دیکھو بیوی میرے مرجانے کے بعد تم چاہے بھوکی مر جاؤ مگر میرے لڑکے کو آکسفورڈ یا علی گڑھ بھیجکر انگریزی ضرور پڑھا دینا، اور اگر لڑکا عربی فارسی علوم پڑھنے کی خواہش کرے تو مارے جوتوں کے اوس کا سر توڑ دینا اور اوس سے کہنا کہ تیرے والد مُلّا رموزی کہہ مرے ہیں کہ آج کل کے مسلمان تعلیم یافتہ اوسے کہتے ہیں جو انگریزی زبان اور انگریزی کے کلرک بنانے والے علوم جانتا ہو یعنی کسی تاریخ کا سر تو کسی جغرافیہ کا پاؤں حساب کی ایک آدہ ناک تو سائنس کا ایک آدہ کان بس جب وہ اتنا پڑھ لے تو اوسے لیڈری پر لگا دینا کیوں کہ آج کل ہندوستانی مسلمانوں میں یا لیڈر مزے کرتے ہیں یا افسروں، عہدہ داروں ایم، اے، پاس لوگوں اور رئیسوں کے پیر صاحب، یہ بھی نہ ہوگا کہ ہم ڈاکٹر کے جانے کے بعد بیوی سے یہ بھی نہ کہیں کہ لاؤ جی آج تو خدا کا حوالہ مجھے انڈے اور کباب تو کھلا ہی دو مگر دیکھو اماں بی سے نہ کہنا۔

یہ بھی نہ ہوگا کہ ہمارے مضامین پر ایک لاکھ جانوں سے نثار ہونے والی کے پیہم خطوط کے جوابات بھی نہ لکھیں خصوصاً جب کہ وہ ہر خط میں ہمیں یہ لکھتی رہے کہ۔

"میرے پیارے مُلّا رموزی!

"خدا کے لئے مجھے زیادہ نہ آزماؤ، مجھے زیادہ بے چین نہ کرو مجھے ہر ڈاک سے اپنی خیریت کا خط بھیجتے رہو، بالکل مطمئن رہو

. . . .

. . . .

. . . . ، آہ میری پیارے مُلّا رموزی میں دوسرے کے بس کی ہوں اگر آج میں اپنے اختیار کی ہوتی تو بتا دیتی کہ تمہاری صحت تک تمہاری مسہری سے الگ نہ ہوتی، اور تمہاری جوانی پیدا کرنے والی اور غم سے دور رکھنے والی مضمون نگاری کی یہ قدر کرتی کہ بس تم سے جدا نہ ہوتی خیر ذرا صبر کیجے مجھے مسوری جانے کا موقع ہاتھ آتے دیجئے ایسا بھی ہو جائیگا جیسا کہ مسوری کے زمانے میں ہوتا بھی رہتا ہے

تمہاری اور صرف تمہاری اپنی تصویر بھی بھیج رہی ہوں "

" شوکت عارفہ "

اچھا سب کچھ مان لیں گے مگر ڈاکٹر کا یہ مشورہ کس طرح مانیں گے کہ روزانہ معاوضہ کے مضامین نہ لکھیں گے کیونکہ اگر ایسا نہ کریں گے تو بھوکے مریں گے کیوں کہ گورنمنٹ کی زبان اُردو تو ہے نہیں جو ہمیں نوبل پرائز بھی مل جائے اور سیر و سیاحت کو جائیں تو گورنروں کی کوٹھیوں میں مہمان رکھے جائیں" اور جن ہندوستانی رئیسوں کی مادری زبان اُردو ہے۔ اونہیں انگریزی پرستی اور "پانیر" پڑھنے سے فرصت نہیں اسی لئے وہ اردو زبان کے اتنے خوشبودار خواجہ حسن نظامی اور اتنے سفید بالوں والے مولانا راشد الخیری تک نئے نئے چندوں اور اپیلوں کے ذریعہ ریاستوں اور امیروں کے ہاں حاضر ہوتے ہوتے تھکے جا رہے ہیں اور نام یہ ہے کہ بڑے باثر ہیں" اور بڑے ادیب !!!

اماں اور تو اور لوگ ہماری کتابیں صاف ہضم کر گئے۔ مگر انہیں غیرت کا نصف پسینہ بھی نہ آیا" تو اسی صورت میں مضمون نہ لکھیں تو کیا کوہ ہمالہ پر جا کر بیٹھ جائیں ؟

بس جناب یہ خیال جب آتا تھا کہ تنخواہ نہیں، جاگیر نہیں اور نوادر کسی ایسے کی بیٹی نکاح میں نہیں جو آج لیٹے لیٹے آپریشن کے زمانے میں اوس کا قیمتی جہیز ہی فروخت کر کے کھاتے رہتے تو پھر وہ آپریشن کا خیال دل سے نکل جاتا تھا۔

مگر جہاں فیشن ایبل دوستوں میں پہونچتے کہ پھر ہمیں یہ کہکر ڈرانا جاتا کہ کس قدر گندے آدمی ہو چہرہ بدنما ہو رہا ہے مگر تم سے اتنا سا آپریشن بھی نہیں ہو سکتا، ادہر ہم بھی سوچتے تھے کہ آج کل زمانہ ہی زنانہ قسم کی آرائش کا ہے، چاہے مرد ہو کر آپ گنتے اور گیدڑ تاک سے بھاگ جائیں لیکن اگر آپ فیشن کا چمکدار لباس پہنے رہیں اور ذرا حسین آدمی نظر آئیں تو سب لوگ کرسیوں پر کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کریں گے اس لئے کوئی سال بھر بعد ایک دن ارادہ مضبوط کر کے انگریزی شفاخانے چلدیئے اور سب سے پہلے اوس جگہ کو معلوم کیا جہاں یہ خوفناک کام ہوتا ہے، بس صاحب جو ملازم نے اوس کمرے کو بتایا ہے جہاں یہ مردود اور راندۂ درگاہ آپریشن ہوتا ہے تو چاہو جس کی قسم لے لو کہ ہاتھ پاؤں قابو کے نہ رہے اور یاد ہی نہیں کہ دل میں کس قسم کا بھانہ لیکر جو گھر آئے ہیں تو الحمدللہ مہینوں اوس طرف کا

زخ بھی نہ کیا۔

اماں غضب خدا کا کوئی ڈہائی سو قسم کے نشتر تھے کہ صاف صاف المایوں میں اس خوبصورتی سے جمے ہوئے تھے گویا شفاخانہ کیا ہے نشتروں کے حسن کی نمائش گاہ ہے، اسی طرح کوئی نو سو نوے قسم کی چھوٹی بڑی چھریاں اور خدا جانے کس کس قسم کے آلے تھے جو ان نشتروں کے پاس رکھے ہوئے تھے مگر تھے سب کے سب کاٹنے چیرنے اور پھاڑنے والے، بس تاؤ تو اس بات پر آرہا تھا کہ تھے تو تمام اوزار حد سے سوا صاف اور حسین مگر تھے سب کے سب نوکدار اور دہار والے، بھلا بتائیے کہ انسان کے زخم کو کاٹنے اور پھاڑ ڈالنے والے اوزار اور آلات کو اتنی خوبصورتی سے جما کر رکھنے اور پھر وہ بھی شیشے کی الماری میں رکھنے کی کیا ضرورت ہی اچھا اور جو یہ بھی تھا تو اتنا ہی کیا ہوتا کہ ہر آلے پر اتنا پرچہ لکھ کر لگا دیا ہوتا کہ ساختہ مراد آباد قیمتی نو روپیہ دس آنے" تو یہ ۹۵ فیصدی غیر انگریزی داں ہندوستانی سمجھہ لیتے کہ اس شفاخانے میں ممکن ہے۔ مراد آباد کے برتنوں اور آلات کی دکان بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنے نفع کے لئے کھول لی ہے اور یہ تمام آلے اسی دکان کا مال ہوں گے،

مگر جناب انگریزی شفاخانے کے اس قاعدہ کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ ان نشتروںکو اتنی خوبصورتی سے جا بجا رکھنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اصل میں انگریزی علاج کچھ بھی نہیں ہے اس لئے اوس کے اوزار کو حد سے سوا حسین بنا کر مریضوں کو اوسکی طرف مائل کیا جاتا ہے ادہر ہندوستانی ویسے ہی بے وقوف ہوتے ہیں بس اس ظاہری چمک دمک سے دہوکہ کھا جاتے ہیں وہ دیکھئے نا کہ لندن جاتے تو ہیں تعلیم کے لئے مگر وہاں سے جو میم سے نکاح کرکے لاتے ہیں تو بس اوس کی ظاہری چمک دمک دیکھہ کر ہی مر مٹتے ہیں یا کچھہ اور؟۔

اچھا پھر ایک یہی نہیں کہ اس کمرہ میں صرف ہلاک کرنے والے اوزار ہی رکھے ہیں بلکہ اس میں عجیب عجیب قسم کی میزیں اور کرسیاں بھی موجود ہیں مثلاً ایک کرسی اس قسم کی دیکھی کہ اگر خدانخواستہ ہم یا خدا کرے کہ آپ اوس پر بیٹھ جائیں تو اوس میں آپ کی گردن اس طرح پھنسا دی جاتی ہے کہ آپ جنبش بھی نہ کرسکیں اور آپ کی گردن تک کاٹ کر پھینک دیجائے اسیطرح چند میزیں ایسی دیکھیں کہ بس خدا یورپ والوں ہی کو دکھلائے یعنی ایک میز ایسی دیکھی کہ اوس سے بالکل ہی ملی ہوئی ایک میز پر پھر وہی نشتر اور

چاقو بھی کہ رکھے ہوئے تھے جو اپنے منہ سے خود بول رہے تھے کہ اس میز پر آپ کو لٹائیں گے اور اس میز کے نشتروں سے آپ کو ذبح کریں گے، پھر اور چلئے تو جناب ایک طرف روئی بھی رکھی ہوئی ہے تو دوسری طرف پٹی باندھنے کا کپڑا بھی نظر آرہا ہے، اب بتائیے کہ مریض اگر نہ بھی سمجھتا ہو کہ یہاں مجھے کاٹا جائیگا۔ تو یہ تمام چیزیں خود سمجھا دیتی ہیں کہ ہاں ہاں تجھے یہاں کاٹا جائے گا پھر سب سے بڑی خوب صورتی یہ کہ اس کمرہ میں صفائی اور خوب صورتی تو جنت سے اونچی ہوتی ہے مگر بدبو اس قسم کی آتی رہتی ہے کہ شفاخانے سے باہر ہی آپ سمجھ جائیں کہ ہاں انگریزی اسپتال آگیا، پھر کہنے کو تو شفاخانہ ڈاکٹروں ایسے محققین اور ماہرین مزاج کا گھر ہوتا ہے مگر یہ اتنا بھی تو نہیں جانتے کہ جس قسم کی خوشبو ہوتی ہے انسان کے دل و دماغ پر ویسا ہی اثر پیدا کرتی ہے لہذا ہونا یہ چاہیئے تھا کہ شفاخانوں میں عطر اور مشک کی لطیف تر خوشبو پھیلائی جاتی تاکہ مایوس اور گھبرائے ہوئے مریضوں کے دل پر وحشت کے عوض فرحت پیدا کرنے والا اثر ہوتا۔ مگر ذہین اتنی نازک اور نفیس عقل سے کیا کام

بس حد ہو گئی کہ تمام جسم کاٹ کر پھینک دینے والے اتنے بے شمار آلے
اور اوزار ہر ڈاکٹر کے پاس رہتے ہیں مگر سب کے سب بغیر لائیسنس کے اور
کوئی ایک مجسٹریٹ نہیں پوچھتا کہ یہ جان سے مار ڈالنے والے ہتھیار جو آپنے
جمع کر رکھے ہیں تو لکھائیے ان کا حلیہ اور دیجئے سرکاری ٹیکس لیکن اگر
ہم اور آپ لاکھ شریفوں کی اولاد ہو کر لاکھ تعلیم یافتہ ہو کر لاکھ غیر بنگالی
ہو کر بھی ایک دیسی بندوق اور ایک آدھ ریوالور بھی بے لائیسنس کے
رکھ لیں تو پھر دیکھئے ان آنریری مجسٹریٹوں تک کا زور، منٹ بھر میں
آپ پر مقدمہ چلائیں اور وہ بھی پوری فوجداری کا پھر ضمانت کے لئے
محلے بھر کے ہاتھ ہی جوڑتے پھرئیے ورنہ پھر دھرے رہئیے حوالات میں
اور وہ بھی بے روشنی اور کھٹملوں والے حوالات میں۔

غرض یہ کمرہ جو دیکھا تو سیدھے گھر آ گئے، وہ تو نفع میں یوں رہے
کہ ابھی آپریشن کا خود ہی ارادہ نہیں کیا تھا اس لئے گھر میں کسی سے تذکرہ
بھی نہیں کیا۔ مگر کب تک پھر جناب کچھ دن بعد دوستوں نے تنگ کیا
اور فیشن ایبل قسم کے دوست تو جان ہی کے دشمن نظر آنے لگے پھر وہ
بھی اپنی مثالیں دے دے کر کہ ؟

اماں جاؤ بھی کیا خاک تم مضمون نگار ہو کہ اب تک آپریشن ہی کو نہیں سمجھتے، کوئی کہتا!

اماں گنوار ہی دھرے ہوئے ہو اب تک کہ آپریشن سے ڈرتے ہو،

اوہو ذرا یہ تو دیکھو پارسال میرے اس جگہ ایک پھوڑا ہو گیا تھا خدا کی قسم ایک گھنٹہ تک ڈاکٹر کاٹتا رہا مگر معلوم نہ ہوا اور الحمد للہ اس موذی پھوڑے سے نجات مل گئی پھر تمہارے تو کوئی زخم نہیں ہے کوئی کہتا۔

اماں شرماؤ ذرا ننھے بچے آپریشن کرا لیتے ہیں مگر تم ہو کہ لرزے جاتے ہو آپریشن کے نام سے کوئی کہتا۔

اماں مرے کیوں جاتے ہو چلو میں لے چلوں تمہیں ڈاکٹر صاحب کے پاس کوئی کہتا پھر ملّا رموزی ہی کیوں بنے ہو؟

گویا آپریشن نہ کرائیے تو ملّا رموزی ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر ایک بولے کہ اماں ملّا رموزی سوچو تو کہ وہ جو کلب اور ٹھنڈی سڑکوں پر اٹھلا اٹھلا کر چلنے والیاں تمہارے مضامین پڑھ کر مست ہو جاتی ہیں وہ اپنی حسن و رنگ اور شباب میں ڈوبی ہوئی سہیلیوں کو کہتی ہیں کہ بہن آپ

ہمارے مُلّا رموزی صاحب کے مضامین ضرور پڑھا کیجے اگر وہ سن لیں گی کہ مُلّا رموزی صاحب اتنے بزدل ہیں تو سوچ کیا کہیں گی۔

بس اس شخص کا یہ کہنا کہ ہم نے دل سے تیاری کر لی کہ اب چاہے جان جاتی رہے لیکن بغیر آپریشن کے اب نہ رہیں گے لہذا اس تاؤ میں جو آئے تو بیوی سے کہدیا کہ کل آپریشن ہوگا۔ اماں یہ کہنا تھا کہ ہمارے سید ہے سادہ اور غیر انگریزی داں گھر میں گویا باؤلا کتا گھس آیا یعنی پہلے تو بیوی ہی عدالت کی جج کی طرح ہم سے چمٹ گئیں، مثلاً پہلا ہی سوال وہ کیا کہ دل جانتا ہے یعنی فرمایا اور بہت بے پروا سے لہجے میں فرمایا کہ

یہ آپریشن کیا بلا ہوتی ہے۔

اب بتایئے جس شوہر کی بیوی آپریشن سے اتنی واقف ہو اس کا شوہر آپریشن کے معاملہ میں کتنا بہادر ہوگا اب جو تفصیل بتایئے تو مسماۃ موصوف کے حواس خراب نظر آنے لگے۔ اماں وہ خدا کی غیر آپریشن داں بندی اُوٹھی اور سیدھی پہونچی والدہ صاحبہ کے پاس اور ماجرا کہدیا اب کیا تھا گھر بھر تھا کہ آصفت علی بیرسٹر بنا ہوا تھا۔

تو بھی اس کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟

کیا دنیا سے حکیم طبیب بالکل ہی اوٹھ گئے ہیں جو یہ حرکت کرتے ہو؟۔
اور آخر تم نے ہم سے تو تذکرہ کیا ہوتا، ہم لاکر دیتے ایسی دوا کہ ایک مہاسہ کیا دس مہاسے اچھے ہوجاتے، وہ پوچھو جاکر رستم علی سے میں نے اوس کے مہاسوں کے لئے کیسی لاجواب دوا لاکر دی تھی کہ پھر نشان تک نہ رہا۔

وہ بولیں کہ ایسی ضرورت ہی کیا پڑی ہے حسین بن جانے کی خدا نخواستہ کچھ اور ہو گیا تو؟ لیجے

خالو میاں۔ بولے اس زمانے کے لونڈے بزرگوں کے صلاح مشورے کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں، ورنہ ہم سے کہتے تو بتا دیتے کہ یہ جو تمہارے گھر میں نیب کا درخت کھڑا ہے یہ تو سو دواؤں کی ایک دوا ہے بس اسکی پتے پیس کر آج لگاؤ اور کل نفع دیکھو، مگر بھئی کہیں اوس سے جو ہماری مانے!

اماں احمق ہوئے ہو ان بے ایمان ڈاکٹروں کا کیا بھروسہ اول تو ان کی دواؤں میں شراب ملی ہوتی ہے جو ویسے ہی مسلمان کے لئے حرام ہے، پھر یہ لوگ بے ہوشی کی دوا سنگھا کر آدمی کو مار ڈالیں

تو ان سے کوئی نہ پوچھے،

اچھا تو وہ امو خلیفہ کا بیٹا کیا بُرا ہے؟

علاج ہی کرانا ہے تو وہ ہمارے گھر کا پُرانا جراح ہے ہزاروں مریض اچھے کر چکا ہے مگر تمہیں تو ہوا لگ چکی ہے نیچری لوگوں کی تم تو اونہی قاعدوں پر چلتے ہو، سنتے ہو تو ہو نہیں بزرگوں کی۔

اچھا تو پھر ذرا ٹھہر جاؤ آج شام ہی کو ہم لاتے ہیں دوا حکیم سلطان محمود صاحب کی، پھر ذرا اس کا اثر بھی دیکھو، بھئی خدا نے اس حکیم کے ہاتھ میں عجب شفا رکھی ہے مگر تم کسی کو مانو جب؟

وہ بولیں کہ خالو میاں اگر یہ آٹے کا پانی روز صبح لگایا کریں تو دس مہاسے اچھا ہو جائیں،

اب خالو میاں کا تاؤ دوا کے اثر سے بھی زیادہ تیز ہو گیا چمک کر بولے مگر ڈھن کہیں کس سے، خدا نے تمہارے آدمی کو عقل دی ہو تب؟

اچھا بھئی ہم جو کہتے ہیں سو وہ کر کے دیکھو، ایک پیسہ کا لاڈلو یان ایک دھیلے کی لو پھٹکری، تھوڑا ملاؤ نوسا درا اور ان تینوں کے پانی سے ایک دو دن منہ دھو ڈالو پھر تم سے پوچھ لیں گے کہ وہ مہاسہ کدھر گیا جس کے

علاج کو تم ڈاکٹروں کے پاس جا رہے تھے ؟ مگر تم ہماری بات سنو تب!
ایک بولیں۔ اچھا ہے ذرا مزا تو چکھ آنے دو میاں کو ڈاکٹری علاج
کا تو۔

وہ گھبرا کر بولیں۔ نہیں نہیں خالہ بی وہ ڈاکٹر کے پاس یہ مہاسہ
کٹانے جا رہے ہیں مزا کیا خاک چکھ آنے دو۔ خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو
آنکھ کے قریب کا معاملہ ہے۔ آپ تو نہ سوچتی ہیں نہ سمجھتی ہیں۔
خالو میاں بولے۔ اچھا بھئی تو اگر شگاف ہی دینا ہے تو لاؤ ہمارے
سامنے بیٹھ جاؤ ہم شگاف دیدیں ایسا کہ معلوم بھی نہ ہو تم کو۔ مگر تم ہماری
بات مانو جب!

غرض اب جو ہم نے دیکھا کہ گھر میں تذکرہ کرکے گویا اپنے اوپر خود
ایک سنگین سا مقدمہ چلانا ہے اور جرح میں الجھنا اس لئے سوچ کر ہم نے
کہدیا کہ اچھا اچھا بس سن لیا اب نہ جائیں گے ہم شفاخانے وہ تو انشاءاللہ
خود بخود اچھا ہو جائیگا' ہمارے آخری فقرہ پر تقریباً تمام گھر نے
بہ یک زبان زور سے انشاءاللہ کہا۔ مگر ہم نے دل میں طے کر لیا تھا
کہ بس ایک دن خموشی سے ڈاکٹر صاحب کے پاس جا کر آپریشن کرا لیں گے

اب یہ نہ پوچھیے کہ اس ارادہ میں کتنے دن تک ہم ہچکچاتے رہے۔ بارے خدا خدا کرکے ایک دن شفاخانے پہونچ ہی گئے۔

جناب گرامی ڈاکٹر اصفہانی صاحب!

ایک حاذق ڈاکٹر ہیں ممدوح کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ زبان اردو میں قابلِ تعریف و حیرت قابلیت رکھتے ہیں اور بیدار قوم کے بیدار فرد ہونے کے باعث ممدوح ایک ادیب اور اخبار نویس کے مرتبے کو بھی پہچانتے ہیں اور اہل قلم کی وہ عزت فرماتے ہیں جسے دیکھ کر اردو سے بے بہرہ مسلمانوں پر سو مرتبہ لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے پھر سب سے بلند اور لائقِ صد احترام کمال یہ کہ ایک بلند مرتبہ ڈاکٹر ہونے پر اخلاق شرافت تواضع اور خوش مزاجی وہ کہ آپ سے غریب اور بے ذریعہ مریض کافی سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور اب زمانہ بھی غریبوں کے عروج کا آرہا ہے اور یہ کوٹھیوں والے تو اب جیسے رہیں گے تعلیم یافتہ لوگ خوب جانتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ڈاکٹر اصفہانی صاحب ملا رموزی کے مضامین کے یوں قدردان ہیں کہ خود صاحب فضل و کمال بزرگ ہیں لہذا موصوف نے

مُلّا رموزی کے اس خشک مہاسے کے آپریشن کا جو اہتمام کیا حق یہ ہے کہ اوس کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے ہمارے پہونچنے پر ممدوح نے پہلا اہتمام تو یہ کیا کہ ہمیں اوس کمرہ میں نہ لے گئے جہاں چھریاں چاقو، اور نشتر بہ تعداد کثیر رکھے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ اوس خاص کمرے میں لے گئے جہاں رؤسا اور امرار کے آپریشن ہوتے ہیں۔

اب ادھر تو ڈاکٹر صاحب ہمارا دل بڑھا بڑھا کر ہمارے آپریشن کا اہتمام فرمارہے تھے اور ادھر ہمارے جسم پر مارے وحشت کے خدا جانے کتنے مرتبہ پسینہ آتا تھا اور خشک ہوجاتا تھا۔ کئی مرتبہ ہمت کی کہ ڈاکٹر صاحب سے کہدیں کہ ڈاکٹر صاحب آج تکلیف نہ کیجیے گا انشا اللہ آئندہ جمعہ کو ہم بہت سویرے حاضر ہوجائیں گے مگر مشکل یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے تمام انتظامات مکمل کرلیے تھے لہذا بہت کم مقدار میں ہمیں غیرت کا اثر محسوس ہوا تو خموش ہوگئے کہ لیجیے وہ آپریشن کے کمرہ میں ہمیں پہونچا کر ڈاکٹر صاحب نے اپنا کوٹ اُتارا ہے تو بے ساختہ رونے کو جی چاہنے لگا محض یہ محسوس کرکے کہ او نادان مُلّا رموزی تونے یہ کیا حماقت کی کہ گھر میں

کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا اب اگر تو اس آپریشن میں کچھ سے کچھ ہو کر رہ گیا تو خیر عاقبت تو یوں خراب ہوگی کہ خدا جانے ڈاکٹری علاج میں مریض کو آخر وقت میں کلمہ بھی پڑھنے دیتے ہیں یا نہیں؟

اور دنیا یوں خراب ہوگی کہ مریں گے بھی تو لاہور اور دہلی ایسے علمی اور ادبی شہروں سے دور، مگر ڈاکٹر صاحب نے فوراً ہی اشارہ کیا کہ اس میز پر لیٹ جائیے، اب تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا حال ہوا؟ بس اتنا یاد ہے کہ لیٹ گئے، مگر ڈاکٹر اصفہانی صاحب کا کمالِ شفقت ملاحظہ ہو کہ آپ نے اسسٹنٹ سرجن ڈاکٹر رفعت صاحب کو بھی طلب فرما کر ہمارے سرہانے کھڑا کر دیا جو کمال مہربانی سے ہمیں تشفی دینے لگے اور ہم اس تشفی سے یہ سمجھے کہ ہمارا معاملہ ضرور نازک ہے اسی لئے ہمیں یہ تشفی دیجا رہی ہے، سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ ہمیں تو میز پر لٹا دیا گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب ہماری نظروں سے دور ہو کر آپریشن کا سامان درست فرما رہے تھے جس کی ہر آواز کو ہم سمجھتے تھے کہ بس یہ ہوا آپریشن مگر بڑی تیزی سے ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب ہمارے پاس آئے تو بے ساختہ ہماری آنکھیں بند ہوگئیں اس پر ڈاکٹر صاحب نے ہنس کر فرمایا۔

ملّا رموزی آنکھیں تو کھلی رکھو،

ڈاکٹر صاحب کی اس آواز سے ہمیں اتنا اطمینان ہوا کہ اس آپریشن میں آنکھیں بند کرنے کی نوبت نہ آئے گی مگر اب جتنا وقت گزر رہا تھا ہمیں رہ رہ کر رشتہ والے اور عزیز یاد آرہے تھے کبھی محترمہ والدہ صاحبہ یاد آتی تھیں تو کبھی قبلہ والد صاحب کبھی بہن تو کبھی اکلوتا بیٹا کہ اچانک ڈاکٹر صاحب نے ہم سے فرمایا

ملّا رموزی اگر جاڑا معلوم ہوتا ہو تو کمبل اوڑھ لو،

قسم کھاتے ہیں اس فقرہ پر خدا جانے کتنا خون خشک ہو گیا اور جواب دینے سے پہلے سوچنے لگے کہ اچھا اگر ہمیں جاڑا محسوس ہو رہا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے اسے کس طرح پہچان لیا ؟ پھر اس وقت ہمیں کمبل اُڑھانے کی کیا ضرورت، یعنی وہ جو آپریشن کے لئے ہم نے اپنے دماغ میں ہمت کی تھی اس فقرہ سے نصف سے زیادہ کم ہو گئی اور آخری مصیبت یہ کہ اب اس میز پر سے بھاگ جانے کا کوئی راستہ اور بہانہ ہی باقی نہیں رہا تھا کیوں کہ اب تو آپریشن کے آلات کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں جو جنگل میں شیروں کی آواز سے مشابہ معلوم ہوتی تہیں کہ لیجے وہ ڈاکٹر صاحب

ہمارے سرہانے آگئے اور ڈاکٹر رفعت صاحب نے ہنس کر فرمایا۔

مُلّا صاحب ذرا منہ کو سیدھا رکھیے۔

ڈاکٹر رفعت صاحب کے اس فقرہ سے ایسا معلوم ہوا گویا کوئی مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ مُلّا صاحب اب آپ کا انتقال ہو رہا ہے اس لئے کعبے شریف کی طرف منہ کر لیجے کہ لیجے ڈاکٹر اصفہانی صاحب نے ہنس کر ایک سوئی ہمارے مہاسے میں پیوست کر دی تو ہم سمجھے کہ یہ بے ہوشی کی دوا ہے، کیونکہ آپریشن گھر میں داخل ہوتے ہی ہمیں پہلا انتظار یہی تھا کہ کس طرح ہمیں بے ہوش کیا جائیگا۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے فوراً ہی اس سوئی کو باہر نکال لیا، اب تو نہ رہا گیا اور ہم نے دریافت کیا کہ ڈاکٹر صاحب یہ کیا قاعدہ کی رو سے انگریز ڈاکٹر تو اس وقت ہمارے منہ پر طمانچہ مار دیتا اور یہ لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں مگر ہمارے ڈاکٹر صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ۔

یہ کوکین کا انجکشن تھا اس سے اب مہاسے کو کاٹنے کی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ واللہ یہ بات بالکل سچ تھی مگر ہم نے اپنی وحشت کے باعث اسے بھی ڈاکٹری دھوکہ سمجھا کہ لیجے وہ ڈاکٹر صاحب نے قینچی سنبھالی

اور مہاسے کے پرخچے اُڑانا شروع کر دیا۔ مگر ہم اب بھی سوچ ہی رہے ہیں کہ اصل آپریشن تو وہ ہوگا جس میں ہمیں بے حد تکلیف ہوگی اسی لئے ہمیں چیخنے چلانے سے روکنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے ایک اور ڈاکٹر کو اپنے پاس کھڑا کر لیا ہے مگر خدا ڈاکٹر اصفہانی کو سارے ہندوستان کا ڈاکٹر بنا دے کہ ممدوح نے باتیں کرتے کرتے ہی آپریشن پورا کر کے کہا۔

لیجئے مُلّا صاحب تشریف لے جائیے آپریشن ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے تو اپنے فن کی حیران بنا دینے والی قابلیت سے ہمیں فارغ کر دیا مگر ہماری واقفیت کا جو اثر دماغ پر تھا اوس نے چند لمحات تو یقین ہی نہیں ہونے دیا کہ آپریشن واقعی ختم ہو گیا جب ڈاکٹر رفعت صاحب نے شانہ ہلا کر کہا کہ اوٹھئے تو ایسا محسوس ہونے لگا گویا جرمنی کے فرانس شکن توپ خانے کی تیز گولہ باری کے درمیان سے ہم صاف بچ کر نکل آئے، لیکن تھے آخر کار دیسی اور مغرب کی ہر چیز سے نفرت کرنے والے یا ناواقف لہذا اثر دہی رہا یعنی جی تو چاہتا تھا کہ اگر مسلمان قوم اردو کے مضمون نگاروں کی قدر دان ہوتی تو اس وقت اتنے بڑے باکمال ڈاکٹر پر جواہر نثار کر دیتی جس نے اس قوم کو زندگی بخشنے

ذخیرۂ تحریر بہم پہونچانے والے ادیب کا اتنا کامیاب آپریشن کیا
کہ اوسے خبر تک نہ ہوئی مگر ڈاکٹر صاحب کو سلام کر کے اپنی انگریزی
نواز قوم کو کافی سے زیادہ گالیاں دیتے ہوئے میز سے علیحدہ ہوئے
تو اس طرح کہ اب جو زمین پر قدم دھرتے تھے تو اس نزاکت سے گویا
اگر ذرا بھی زور سے چلے تو آپریشن ٹوٹ جائیگا یا ہل جائیگا یا خراب ہو جائیگا
غرض خدا خدا کر کے تانگے تک آئے اور تانگے والے کو سوار ہونے سے
پہلے تاکید کی کہ دیکھو بھئی تانگہ بے حد آہستہ چلانا یہ دیکھو یہ آپریشن
ہوا ہے تانگے والا بھی خدا کے فضل سے جاہل ہندوستانی ہی تھا
اس لئے اوس نے بھی ہم سے زیادہ نازک مزاج ہو کر جو تانگہ چلایا تو
پورے ایک گھنٹے میں گھر میں آ کیا پہونچے کہ پھر مصیبت میں پھنس گئے

اور پھر وہی عدالتی جرح۔

اُفوہ خدا خیر کرے۔

یہ کیا ہوا؟

ارے کیا وہی آپریشن تو نہیں ہوا؟

انا للہ!

لاحول ولا قوۃ!

کہہ رہے تھے کہ دیکھو بھئی ذرا ڈاکٹری علاج سے دور رہو۔

اچھا اچھا جلد بستر پر لیٹ جاؤ۔

ارے اِن بچوں کو تو خدا کے لئے باہر بھگا دو اِن کے شور سے اور میرا دل اُچھلتا ہے یا اللہ تو شفا دینا خیر سے

اچھا تو یہ بتاؤ کہ اب یہ کب اچھا ہو گا "

تو یہ اس پر کونسی دوا لگائی ہے۔

تو اسے کب بدلنا ہو گا؟

پہلے ہی کہا تھا کہ ہم لوگوں کو ان کمبخت ڈاکٹروں کا علاج معالجہ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اب بتایئے کہ کیا کریں گے؟

اچھا تو اب پرہیز کیا بتایا ہے؟

تو کیا اب ڈاکٹر صاحب تمہیں روزانہ دیکھنے آئیں گے یا تم خود ڈاکٹر صاحب کے پاس جایا کرو گے؟

خالو میاں بولے۔ کیا نا آخر کو لونڈا پن؟

ہاں بھئی ہماری کون سنتا ہے زمانہ ہی ناخلف آگیا ہے، پہونچ ہی گئے

آخر کو ڈاکٹر کے پاس،

لیجیے اوس بے رحم نے کاٹ کر رکھدیا، یہ بھی تو نہ دیکھا کہ آنکھ کے قریب کا معاملہ ہے۔

خیر بھئی اب تو جو ہوا سو ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ اوس نے اس پر لگایا کیا بس وہی پھٹکری کی پٹی لگائی ہوگی ان کمبختوں کے ہاں اور دھرا ہی کیا ہے۔

اچھا بھئی یہ تو کہو کہ تمہیں کتنی دیر بے ہوش رکھا؟

بڑی تکلیف ہوئی ہوگی تمہیں تو؟

وہ یوں کہا میں نے کہ یہ لوگ بڑے جلاد ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے تو خاصے دشمن۔

اباں ہم سے کہتے تو ہم ساتھ چلتے اور اس طرح اپنے سامنے چیرا دلاتے کہ تمہیں تکلیف نہ ہونے دیتے۔

اچھا تو پھر پرہیز کیا بتایا ہے۔

ہم تو جانیں کہ اب تم اس پٹی کو پھینک کر نیب کے پتوں کی پٹی باندہ لو اور انشاء اللہ شام تک ہی اوس کا اثر دیکھ لو

وہ بولیں۔ خالو میاں تو ہر جگہ نیب کی پٹی ہی لئے پھرتے ہیں جیا ہے

موقع ہو یا نہو۔ اس پر۔
خانو میاں۔ بولے، ہاں ہاں دلہن سچ کہتی ہو۔ ہاں بھئی زمانہ بزرگوں پر
اعتراض کا آگیا ہے۔ عجب "ناخلف زمانہ" ہے خیر بھئی جو تمہیں نظر
آئے وہ کرو ہم اب نہ بولیں گے مگر اتنا کہے دیتے ہیں کہ ہوشیاری سے
علاج کرانا معاملہ ہے ڈاکٹری کا آگے بھئی جو تمہیں نظر آئے۔
مگر بھئی یہ تو کہو کہ اب وہ ڈاکٹر کو کیا دینا ہوگا کیوں کہ یہ لوگ تو نہ دیکھیں
امیر نہ دیکھیں غریب انہیں تو اپنی فیس سے کام، مگر تم یوں کہنا کوئی
فائدہ نظر آئیگا تو فیس دیں گے، اور ہم تو جانیں کہ اب ڈاکٹر کے پاس
جاؤ کیوں؟ اور بھئی ہم تو دلہن کے کہے سے اب زیادہ بولنا ہی نہیں
چاہتے کیوں کہ ہماری بات کا تو اب مذاق اُڑایا جاتا ہے، مگر ہاں
دیکھتے ہیں تو رہا نہیں جاتا۔
القصہ یہ تو ایک ٹھیٹ پُرانے خیال کے گھرانے کی بدحواسی کا
خلاصہ تھا مگر جب تک ہمارا غسل صحت نہیں ہوا ہے دل ہی جانتا ہے
کہ ہمارے روشن خیال دماغ میں کیسے کیسے خطرات پیدا ہوتے تھے۔
بالآخر اس آپریشن سے اچھے ہو کر ہم اس فطری اور قدرتی نتیجے پر پہونچے

کہ مشرق مشرق رہے گا اور مغرب مغرب ہی بہرا اور بات ہے کہ چند دن
کے لئے ہندوستانی انگریز بن جائیں اور انگریز ہندوستانی مگر خواص
اور پیدائشی خصوصیات کے حساب سے ہندوستانیوں کے لئے
ہر حال میں حکیم اجمل خاں مغفور کے گل بنفشہ اور تخم خطمی والے نسخے
ہی کچھ زیادہ موزوں اور مفید ہیں باقی سب خیریت ہی خیریت ہے۔

مراق

صاحب غیاث نے مالیخولیائے مراق کی تعریف یہ کی ہے کہ معدہ سے جو غلیظ ابخرہ پیدا ہوتے ہیں اون سے دماغ میں ایک قسم کا اختلال پیدا ہوتا ہے، مگر ہمیں ان تمام امراض پر طبی دیا سلائی سے روشنی ڈالنا مقصود ہی نہیں بلکہ ہمیں تو از روئے ظرافت و زندہ دلی ان کے ہنسا کر غم سے دور کر دینے والے حصوں سے بحث ہے اس لیئے ہمارے ہاں اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ مرض کیوں پیدا ہوتا ہے؟ البتہ علمی نقطۂ نظر سے اسکی تاریخ پیدائش یا اس مرض کے وطن کی تحقیق لازم ہے سو آنکھ بند کرکے مان لیجئے کہ جسطرح آتشک ایسا موذی مرض ہندوستان میں یوروپ کے سپاہیوں کی لائی ہوئی لعنت ہے اوسی طرح مرض مراق بھی ہندوستان میں یوروپ والے ہی لائے ہیں، جسکا تاریخ سے بھی اونچا ثبوت یہ ہے کہ اس مرض کے نہایت ہی قیمتی نسخے ارسطو اور افلاطون

کے قلم کے لکھے ہوئے موجود ہیں اور یہ جلیل القدر حکما ملک
یونان کے باشندے تھے جو ایک وقت بھی ہندوستان نہیں
آئے تھے اور ظاہر ہے کہ ملک یونان یورپ ہی کا ایک حصہ ہے
لہذا یہ مرض سب سے پہلے یورپ اور یونان ہی میں پیدا ہوا
جسے دیکھہ کر یونان کے حکیموں نے نسخے تجویز کیئے گویا اسطرح یہ بھی
ثابت ہوگیا کہ جب یوروپ والے جہاں ایشیائی ممالک میں تہذیب
وشائستگی پھیلانے آتے ہیں وہاں مراق اور مالیخولیا بھی پھیلا
جاتے ہیں اور یہ مراق نہیں تو کیا علم وعقل ہے کہ ہندوستانی
انگریزی زبان سیکھتے ہی اپنے ملک اور اپنے آبائی مذہب تک
میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے ورنہ عقلاً تو زبان انگریزی
صرف اس لیئے ضروری ہے کہ اوسے حاصل کرکے آدمی نوکری کرے
اور زیادہ سے زیادہ کاروبار میں تبادلۂ خیال کرے، مگر یہ کس
علم میں آیا ہے کہ انسان اپنی زبان اپنا لباس اور اپنی رسوم
کو ترک کرکے دوسری قومیت میں یوں جذب و
شامل ہو جائے کہ نہ وہ اس قوم کا رہے نہ اوس قوم کا مگر

دیکھیے لیجئے کہ بقول اخبار رات آج اور تو اور ایک چھوٹے سے مرزا
. . . . . . نے صرف ایل ایل بی تک پڑھ کرہی یہ لکھدیا کہ
مسلمان عورتوں تک کو ناچ گانا سکھانا مذہبًا جائز ہے مگر اون چیزوں
کا نام تک لینے سے مرزا صاحب کی روح کانپ گئی جن کے ذریعہ
یاروں نے اون کے باپ دادا کا ملک فتح کرکے رکھدیا غرض اس
مرض کے اثر سے ایسی ہی سوجھتی ہے۔
خلاصہ یہ کہ اس مرض کا مریض اپنی حرکات کے لحاظ سے کچھہ
اس درجہ حسین ہوجاتا ہے کہ دیکھئے اور وجد کرتے رہیئے مثلاً آپ
کو جہاں مراق شروع ہوا کہ آپ نے بجائے آبائی پاجامہ کے
یورپ کے لوگوں کا وہ پاجامہ پہن لیا جسے شکم اقدس پر بجائے
کمر بند کے موٹے چمڑے سے یوں کسا جاتا ہے کہ برسوں استعمال کے
بعد بھی آپ مارے تکلیف کے اوس چمڑے کو منٹ منٹ پر ایک
جگہہ سے دوسری جگہہ حرکت دیتے رہتے ہیں مگر شکم مبارک میں
کھانا کھانے ہی جو ہوائیں پیدا ہوتی ہیں اون کے زور سے یہ پتلون
اور اسکا چمڑا آپ کو کرسی پر آرام سے ہنیں بیٹھنے دیتا اور آپ مہذب

لوگوں سے مخاطبت کے وقت بھی شکم پر سے بار بار تپلون کی پیٹی ادہر سے اُدھر ہٹاتے ہوئے آپ جس بندری اور لنگوری صورت سے بن جاتے ہیں اسکا اصل نام مراق ہے۔ کیونکہ مراق اصل مین معدہ کے خراب بخارات کے بگڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور آپ تپلون سے اسی وقت گھبراتے ہیں جب آپ کے معدہ کے بخارات کو تپلون کی پیٹی روکتی ہے اور جب یہ تپلون آپ کو تکلیف دیتی ہے تو اسے درست کرنے سے آپ پر بندر اور لنگور کی سی حرکات نمایاں ہونے لگتی ہیں، دوسرا مراق یہ ہے کہ آپ تپلون کو بغیر تحقیقِ ضرورت استعمال کرتے ہیں یعنی بے مبانی کا پاجامہ یوروپ والے تو اس لیئے استعمال کرتے ہیں کہ اون کے ہاں زمین بارہ مہینہ کی بارش اور برف باری کے اثرات سے کبھی اس قابل نہیں ہوتی کہ وہاں آدمی زمین پر بیٹھ سکے اس لیئے وہاں کے لوگوں نے وہاں کی اس حالت سے تنگ آکر اس پاجامہ کو ایجاد کیا اور نشست کے لیئے کرسی ایجاد کی تاکہ وہاں کی مرطوب زمین کے اثرات سے محفوظ رہیں، مگر آپ بتائیے کہ آپ کے ملک میں زمین کے اندر ایسی

کونسی بارش اور دریا بھرے ہیں خنکی سردی سے محفوظ رہنے کے لیئے آپ نے
یورپ والوں کی پتلون استعمال فرمائی، لہذا ثابت ہوا کہ مراقی وہ جو
ہندوستانی ہوکر یورپ والوں کی پتلون پہنے
اس کے بعد کے عام مراقی یہ ہیں،
۱۔ مثلاً مراقی نمبر اوہ جو گھر سے بازار جانے کے ارادہ سے نکلا ہو مگر راستہ
میں ہی بغیر بازار جائے آپ کے ساتھ ہو جائے اسطرح کہ آپ جہاں جا کر
اوس سے کہیں کہ اچھا اب میں معافی چاہتا ہوں اب مجھے یہاں سے
دفتر جانا ہے آپ تشریف لیجائے تو وہ آپ سے کہے کوئی پروا نہیں چلیے
میں دفتر تک آپ کے ساتھ چلتا ہوں وہاں سے واپس آجاؤں گا تو آپ
گھبرا کر کہیں کہ نہیں نہیں، میں بھول گیا آج دفتر کی تو تعطیل ہے۔ مجھے اپنے
سسر کے ہاں جانا ہے تو وہ کہے کہ کوئی حرج نہیں میں وہاں تک
آپ کے ساتھ چلتا ہوں اب آپ سسر کے گھر پہونچ کر گھر میں گھس جایئے
اور پورے تین گھنٹہ تک ان کی خبر بھی نہ لیجیے مگر یہ دروازہ کے باہر اسطرح
ٹہلتے رہیں گے کہ جو شخص اون کے سامنے سے گذریگا پھر ادسے بڑے
تپاک سے خود سلام کر کے روک لیں گے اور مارے باتوں کے اسے

عاجز کر دیں گے اب جو آپ باہر آکر کہیں گے کہ افوہ بھائی صاحب آپ کو
بہت زحمت ہوئی تو یہ فوراً ہنس کر کہیں گے کہ جی کوئی حرج نہیں میں بھی
فلاں صاحب سے باتیں کر رہا تھا اب آپ کو دل میں اطمینان ہوگا کہ یہ
شخص اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیگا۔ لہذا آپ کہیں گے کہ اچھا بھائی صاحب
اب میں معافی چاہتا ہوں کیونکہ وہ میرے گھر کے لوگوں نے کہا ہے کہ میں
ذرا ملا رموزی صاحب کی کتابیں بازار سے جاکر خرید لاؤں تو یہ فوراً کہیں گے
کہ سبحان اللہ بہت ہی خوب چلیے چلیے میں بھی آپ کے ساتھ بازار تک
چلتا ہوں کیوں کہ وہ مجھے بھی تو آپ کی بھاوج نے بازار ہی بھیجا تھا مگر
افسوس کہ میں آپ سے باتوں میں ایسا کھویا کہ بس آپ کے ساتھ ادھر نکل آیا
اب آپ یہ ہی سنکر خوش ہوں گے کہ چلیے بازار سے تو پیچھا چھوٹ جائیگا۔
لیکن جہاں آپ بازار میں پہونچے اور آپ نے کسی دکاندار سے گفتگو شروع
کی کہ بغل سے جھک کر ان بزرگ نے ادس دوکاندار سے جرح شروع کی کہ دوکاندار
بھی تنگ اور آپ بھی تنگ پھر بار بار ہیں کہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت آپ فلاں
دکان پر آپ میرے ہمراہ چلیے دیکھے میں یہی چیز آپ کو کتنی ارزان اور کم قیمت
پر دلاتا ہوں غرض اسطرح دوکان دوکان آپ کو ذلیل کرکے پھر گھر تک کے لیے

آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اب آپ دل میں یہ کہکر کہ اے خدا تو اس پاگل کو زمین کا پیوند بنا دے اون سے کہیں گے کہ مسٹر وہ آپ کو بھی تو بازار سے کچھ خریدنا تھا۔ لہذا آپ تشریف لیجائے خدا جانے بچاری صاحبہ کب سے اوس چیز کے انتظار میں بیٹھی ہوں گی تو یہ فوراً کہیں گے کہ نہیں نہیں، کوئی حرج نہیں وہ چیز اس بازار میں نہیں ملتی مجھے اوس کے لیئے چوک بازار ہی جانا پڑے گا لہذا میں آپ کو گھر تک پہونچا کر پھر چلا جاؤں گا اوس طرف سے مجھے چوک بھی قریب پڑیگا اور یہ کہنے کے بعد ہی بیوی کے منتظر رہنے کی تردید بھی شروع کر دیں گے جسکی تفصیل آپ کے گھر تک بھی پوری نہ ہو گی مثلاً یہ کہ کیا کہوں حضرت خدا نے مجھے جیسی نیک اور فرماں بردار بیوی دی ہے خدا میرے ہر بھائی مسلمان کو ویسی بیوی دے حق یہ ہے کہ میں اس غریب کی ایک فرمائش بھی پوری نہیں کرتا مگر وہ ہے کہ پھر بھی میری خدمت و فرماں برداری کے لیئے چوبیس گھنٹہ کمربستہ کھڑی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک ان کے ہمراہ رہنے سے آپ کی شرافت اور آپ کی خوش خلقی زور پر آئیگی۔ لہذا گھر پر اگر آپ نے جھوٹے کو کہدیا کہ مسٹر اب کھانا تیار رہے کھا ہی لیجئے کہ یہ فوراً کہیں گے کہ

بھئی اس تکلف کی کیا ضرورت ہی کیا میں اپنے اور آپ کے گھر میں کوئی فرق سمجھتا ہوں
لائیے بسم اللہ اس موقع پر خاکم بدہن لفظ بسم اللہ پر جو تاؤ آتا ہے دل جانتا ہے
خدا معاف کرے،

اب جو دستر خوان پر یہ بیٹھ گئے تو آپ جب چاہیں جتنا چاہیں کھالیں مگر ان
کے ہر لقمے سے ایک طویل داستان لپٹی رہیگی جس کے سلجھانے سے ان کی زبان
اتنی فارغ ہی نہو گی کہ یہ لقمہ کو حلق کے اندر پہونچا سکیں جہاں ایک لقمہ اوٹھایا
کہ فوراً اس ترکاری پر تنقید، تبصرہ، نقد و نظر، بحث و تمحیص، انتقاد، ریویو،
نظرے خوش گذرے، نکتہ چینی اور جرح شروع فرما دی ایسی کہ اُن کی
زیر بحث ترکاری بجائے ان کے آپ کھا گئے مگر انھیں بحث ہی سے فرصت
کہاں جو یہ ملاحظہ فرمائیں کہ ترکاری کون کھا رہا ہے،
پھر ان کی بحث کا تمام زور اپنی بیوی کے "باورچی پن" پر خرچ ہوگا اسطرح
کہ کیا عرض کروں بھائی صاحب کبھی آپ **اون** کے ہاتھ کا پکا ہوا پلاؤ کھایا
تو کہیں اور بھائی مرغ کے کباب بنانے میں تو **اون** کو قیامت کا ملکہ حاصل
ہے میں تو عرض ہی نہیں کر سکتا بس کسی وقت کھائیے تب ہی آپ کو اندازہ
ہو سکتا ہے،

وہ ایک مرتبہ میرے بڑے بھائی صاحب نے جو ایم اے پاس بھی ہیں اور آجکل بریلی کے محکمہ قضا کے افسر اعلیٰ ہیں ایک ڈپٹی کلکٹر کی دعوۃ کی جو انھیں دنوں ولایت سے آیا تھا بس کیا عرض کروں بھائی صاحب کہ جو میں تھے آپ کی خادمہ کا پکایا ہوا پلاؤ اسے کھلایا ہے تو واللہ ولایت تک سے تین برس تک اوس کے خطوط آتے رہے جن میں وہ آپ کی بھاوج کے پلاؤ کی تعریف کرتا رہتا تھا غرض انکا سلسلۂ کلام برابر جاری رہیگا یہاں تک کہ آپ اس شرافت میں مقدار سے زیادہ کھانا خود ہی کھالین گے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے فارغ ہوجانے سے یہ غریب مارے حجاب کے بھوکا رہ جائے مگر انھیں نہ اس کا ہوش وہ تو کھا بھی رہے ہیں بحث بھی فرما رہے ہیں اور لقمہ ہاتھ میں لیکر لحوں بیٹھے بھی ہوئے ہیں اب جو خدا خدا کرکے کھانا ختم بھی ہوا اور کہیں آپ نے لکھنؤ کا حقہ پیش کردیا تب تو سمجھ لیجئے کہ اب یہ آپ کی جان ہی لیکر واپس ہوں گے یعنی جتنا وقت انھوں نے کھانے پر برباد کیا اوس سے سوا اب حقہ پر صرف ہوگا اور اب کھانے کی جگہہ "حقہ جاتی مسائل" پر اظہار خیال ہوگا (یہاں حقہ جاتی بوزن صوبہ جاتی صحیح ہے)

القصہ اب یہاں اتنا وقت برباد کرنے کے بعد ان میں کے اکثر

توچاروناچار رخصت ہوجاتے ہیں اور جن کا مراق کافی شباب پر ہوتا ہے وہ کھانے کے بعد یا توخود ہی خود" قیلولا" بن جاتے ہیں یا بے تکلفی سے آپ ہی سے دوگز زمین اور ایک چادر مانگ کر آپ کے باہر والے کمرے میں سو بھی جاتے ہیں غرض مانی ہوئی بات ہے کہ مراق کا مارا ہوا اپنے گھر سے صبح سے جاکر شام ہی کو واپس گھر آتا ہے اور غریب بیوی ہم سے تم سے مدد لے کر زندہ رہتی ہے'

ان کا یہ ہی عالم گھر میں رہتا ہے یعنی بلا سے بیوی ابجد خواں بھی نہ ہو مگر یہ اسکا کوئی فیشن ایبل نام رکھ کر جیسا کہ آجکل کے انگریزی دان ہندوستانی اپنی بیوی کے مساۃ نصیبن بی نام کو بدل کر شوکت جمال رکھ لیتے ہیں تمام دنیا میں تو اسکا تذکرہ کرتے پھرتے ہیں پھر اوپر سے گھر میں رہ کر بھی اس غریب بے زبان کا مارے بحث و جرح کے ناطقہ بند کیئے رہتے ہیں وہ غریب اگر کہیگی کہ آجکل گھی بہت گراں ہے تو فقط ہاں یا ٹھیک ہے کہکر اسکا پیچھا نہ چھوڑیں گے بلکہ گھی کی لغوی تعریف کریں گے پھر اسکی پیدائش پر بحث فرمائیں گے یہاں تک کہ آخر میں وسیرائے کی کونسل میں گھی کے مسودۂ قانون پاس ہونے پر بحث کرتے ہوئے کونسل کے کسی ممبر کے ذاتی حالات بتانے

بتاتے شام کردیں گے اگرچہ اس عرصہ میں بیوی ان کے سامنے سے دس
مرتبہ اٹھکر ادھر ادھر چلی بھی جائیگی مگر یہ جس پہلو سے بیٹھے اظہار خیال شروع
کریں گے شام تک اسی انداز سے ان کی زبان چلتی رہیگی پھر وہ بھی بالکل قینچی
کی طرح،

مراق کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آپ گھر سے بائیسکل ہاتھ میں لیکر باہر نکلے اور تمام
شہر میں گھوم کر گھر آ گئے سائیکل ہاتھ میں رہی مگر ایک جگہ بھی اسپر سوار ہونے
کا خیال نہ آیا،

یا کبھی عمر میں موزے پہننے کا خیال آیا تو اس طرح کہ موزے اوپر اور
پاجامہ نیچے،

یا سڑک پر تنہا چلے جارہے ہیں مگر اسطرح ہاتھ ہلاتے ہوئے گویا کسی شخص سے
زور شور سے باتوں میں مصروف ہیں،

یا گھر سے بغیر کوٹ اور شیروانی پہنے تمام بازار میں گھوم آئے اور گھر کے دروازہ
پر واپس پہونچکر کہا کہ ارے لاحول ولا شیروانی تو بھول گیا تھا،

یا دو چار آدمیوں میں چپ بیٹھے تو اسطرح کہ اپنی مسلسل اور بے ربط باتوں
سے خود بولتے رہے اور سبکو چپ رکھا،

آخری مگر سب سے نازک مراق کی پہچان یہ ہے کہ ایسا آدمی اگر کسی جگہہ کا
افسر یا عہدہ دار بھی ہوجاتا ہے، تو پھر مصیبت ہی آجاتی ہے،
ایک قسم مراق کی یہ ہے کہ اچانک آپ نے یہ سوچا کہ
اُفوہ مرگیا، ہائے اسکی یہ بالی عمر اور یہہ قیامت کہ وہ اسکول کی نویں
جماعت میں پڑتی ہے اور ابھی سے شعر کہنے کی یہہ مشق !!!
افوہ آنکھوں میں خمار تھا کہ حیا و حجاب اور شوخی و سرمستی کا رنگا رنگ میخانہ ؟
اور توبہ جو اوس کے سینے سے میں نے اسکا دوپٹہ ڈھلکا ہوا دیکھا اور وہ مجھے
دیکھہ کر شرمائی، اور توبہ جو اس نے مجھے پھر اشارہ کیا اور مسکرا کر چھپ گئی،
اور خدا کی پناہ اوس کے چہرے کا رنگ تھا کہ نور کے دریا کی موجوں میں شفق
ملادی گئی تھیں اور پھر بیٹی بھی کس کی کہ اتنے بڑے آدمی کی،
بس یہ خیالات پیدا ہوئے ہی تھے کہ آپ فوراً مُلّا رموزی کے پاس آئے
اور ہانپتے کانپتے ہوئے لہجے میں آپ نے کہا کہ خطا معاف ملا صاحب ہے تو
گستاخی مگر جذبات سے مجبور ہوں،
جی ہاں جی ہاں اوُنھیں کی لڑکی،
جی ہاں نجھلی ہے یا چھوٹی یہ ابھی معلوم نہ کرسکا مگر ہاں تھی اونھیں کی کیونکہ

موٹر تو میں نے صاف پہچان لیا تھا،

تو بس ملا صاحب یہ آپ کا آخری احسان ہوگا اگر آپ پہلے ہی خط میں اُسے میری طرف متوجہ کردیں گے اور میں عمر بھر آپ کا غلام رہوں گا۔

جی ہاں اوس نے خود ہی کھانس کر مجھے متوجہ کیا تھا،

بس میں نے جو موٹر کی طرف دیکھا تو مجھے خوب یاد ہے کہ اوس نے ہنس کر مجھے کچھ اشارہ بھی کیا تھا مگر ہارے رے قسمت کہ اوس وقت کمبخت سامنے سے بڑے مولوی صاحب آرہے تھے اس لیئے میں اچھی طرح دیکھ ہی نہ سکا اور خدا کی قسم ملا صاحب اوس کے ہاتھوں کی مہندی اور کلائی پر کی گھڑی تو میں نے صاف صاف دیکھ لی۔

جی ہاں وہ تو اس کے باپ کی موٹر سے میں نے اسے پہچان لیا ورنہ میں تو مر گیا ہوتا جو یہ پہچان نہ ہوتی،

اچھا تو پھر کل تک آپ یہ خط لکھ رکھیئے گا مگر خدا کیلئے ملا صاحب ایسا ہی لکھو گا کہ وہ میرے لیئے بے چین ہی ہو جائے ؛

اسلام علیکم ملا صاحب،

خدا آپ کو بادشاہ کردے بس کمال کردیا ملا صاحب سبحان اللہ بیچے

لیجیے یہ اسکا جواب آگیا، خدا کی قسم ملا صاحب خط لکھنے مین تو آپ کا ہندوستان بھر میں جواب نہیں، واللہ آج ہی کی ڈاک سے جواب آیا ہے اور دیکھیے تو پہلے ہی خط میں لکھتی کیا ہے مجھے؟ دیکھا آپ نے؟
اب جو گھر گئے تو حال یہ کہ باتیں کر رہے ہیں بھائی سے اور دماغ اوسی کوٹھی اوسی محل اور اسی بنگلے میں پڑا ہوا ہے جہاں وہ رہتی ہے کہ یکایک خیال آیا کہ وہ اخبار "زمیندار لاہور" میں جو اشتہار چھپتا رہتا ہے کہ "معشوق عاشق کے قدموں پر" تو کیوں نہیں اس اشتہار والے تعویذ کو منگا کر آزمایا جائے اور وہ جو خود ملا رموزی صاحب کے پاس تسخیر کا اتنا بڑا عمل ہے تو اسے انکی خدمت کر کے کیوں نہ حاصل کیا جائے بس ان خیالات کا آنا تھا کہ اب آپ کے کمرے میں تعویذوں گنڈوں عملیات کی کتابوں زعفران و عنبر اور لوبان کا کافی ذخیرہ موجود ہے، گوشت، ترکاری، پھل غرض سب کچھ کھانا حرام ہو چکا ہے بارہ بجے رات کو کسی منہدم سی مسجد کے صحن میں کسی دریا کے کنارہ کسی سان اور مرگھٹ میں بیٹھے وظیفے پڑھے جا رہے ہیں دوستوں میں جب تذکرہ ہے تو اسی کا پھر وہ بھی اول سے آخر تک چاہے کوئی سنے یا نہ سنے اس حد تک معاملہ پہونچنے پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا آپ گھر سے بھاگ

جاتے ہیں یا وہ بھاگ جاتی ہے مگر اس عرصہ میں آپ قدم قدم پہ مراقی پکارے جاتے ہیں۔

——— مراق کی ایک لطیف تر قسم یہ ہے کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ مقدار سے زیادہ موٹے ہوتے جا رہے ہیں بس اس یقین کے پختہ ہوتے ہی آپ کے اندر بندر اور لنگور کے سے خواص پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو آپ کی عقل آپ کو جواب دیدے گی اس طرح کہ آپ اپنی فطری اور اصلی بھوک کے خلاف جہاد شروع کر دیتے ہیں اور بجائے روٹی کے اب چھلکا کھانا شروع کر دیتے ہیں اور وہ بھی نصف یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ پھر آخری بدعقلی یا عقلی مراق کا پہلا ثبوت یوں ملتا ہے کہ آپ اپنے موٹاپے کے کم یا زیادہ ہونے کا خود ہی اندازہ لگا لیتے ہیں یعنی ایک دن اپنے مٹکے اور گھڑے کی قسم کے شکم کو خود ہی دیکھا دو چار مرتبہ ہاتھ پھیرا کوٹ کے بٹن لگا کر دیکھا اور خود ہی یقین فرما لیا کہ ہاں کم کھانے میں آج موٹاپا کم ہو گیا اب جو اس سے بھی اطمینان نہیں ہوا اور مراق نے اور زور دکھایا تو اب لگے بندروں ایسی حرکات بے کام لینے جسے انگریز لوگ اکسرسائز اور وطنی علماء ورزش کہتے ہیں مگر ہندوستانیوں

پر چونکہ انگریزون کا بھوت سوار ہے لہذا خمیر تو بنا ہے ہندوستان کی
مفتوح، غلام اور بے حیثیت مٹی سے مگر نقل ہر حال میں کرتے ہیں یورپ
والون کی لہذا ورزش بھی کریں گے تو یورپ والوں کی اور چونکہ سرد
ملک والوں کے خون میں قدرتاً جمود ہوتا ہے اس لیئے سخت محنت سے
حرکت میں لانے کے لیئے انھوں نے سخت سے سخت محنت والی ورزشیں
ایجاد کی ہیں اور ہندوستان گرم ملک ہونیکے باعث اپنے باشندون کو
سخت محنت سے روکتا ہے مگر نقالی کا بُرا ہو کہ ہندوستانی جب یورپ
والوں کی سخت محنت والی ورزش کو اختیار کرتے ہیں تو الحمدللہ کہ بجائے
اسّی اور نوّے ۹۰ برس کی عمر پانیکے ہندوستان کے اچھے اچھے انگریزی
ورزشوں والے پچاس ساٹھ برس سے زیادہ زندہ نہیں رہتے اور انگریزوں
کا جو لارڈ بھی مرتا ہے وہ نوے اور پچانوے برس سے پہلے نہیں مرتا دور
کیوں جائیے وہ اپنے مسٹر لائڈ جارج اور مسٹر چرچل ہی کو دیکھ لیجئے کہ جب
آپ نے جب دنیا میں پہلی مرتبہ آنکھیں کھولی ہیں اسوقت بھی یہ دونون
زندہ تھے پھر جب ہم آپ تعلیم پانے گئے تب بھی یہ زندہ تھے پھر جب
دنیا کی سب سے بڑی جنگ یورپ ہوئی اسوقت تو گویا یہ دونون ہی اس

تمام جنگ وخوں ریزی کو روک رہے تھے پھر جب ہماری آپ کی شادی ہوئی تب بھی یہ دونوں زندہ تھے اور آج جبکہ ہم آپ بال بچوں والے ہوکر وفات پانے کے لیئے تیار ہو رہے ہیں تب بھی یہ دونوں زندہ ہیں اور کم از کم ہندوستانیوں کا تو دل ہی خوب جانتا ہے کہ یہ دونوں کسطرح زندہ ہیں مگر آپ ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے کھلاڑی کا نام بتادیجئے جس نے محض یورپی وضع کی ورزش کے اثر سے ایک کم سو برس کی عمر پائی ہو؟ مگر غلامی سے جب دماغ ہی ادندھا پیدا ہو تو کسی بی اے، یا ایم لے، پاس ہندوستانی کی کیا خطا،

لہذا اب جو یقین ہوا کہ انگریزی درزش سے موٹا یا کم ہو جائیگا تو لگے بندروں اور لنگوروں سے سوا کودنے اچھلنے اور ناچنے پھر یہی نہیں کہ ایک آدہ دن کودیئے اور بیٹھ گئے بلکہ دنوں ہیں کہ قلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں اور بار بار پیٹ پر ہاتھ پھیر کر دیکھتے ہیں کہ موٹا یا کم ہوا یا نہیں؟

اب اگر انہیں یہ مراق یہاں سے ذرا اچھا ہوگیا تو کسی حکیم کے مطب کو جا لیا اور اب صبح وشام ہیں کہ حکیم صاحب کے مطب میں بیٹھے ہوئے ہیں حال یہ کہ کوٹ کی جس جیب میں دیکھئے نسخوں کی کتابیں کی کتابیں

اور دواؤں، پرہیز، اور طریق استعمال کی یادداشتوں کی مثلوں سے
ہر جیب بھری پڑی ہے۔ پھر خاص پہچان یہ کہ حکیم صاحب جتنے تپاک
اور پیار سے چاہیں کہ آپ مطب کے اول وقت میں حال بیان کرکے
نسخہ لکھا لیں تو آپ اسے کبھی منظور نہیں کریں گے بلکہ نہایت اطمینان
سے حکیم صاحب سے کہدین گے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں آپ مطب کے
تمام مریضوں سے فارغ ہولین تو میں عرض کرونگا اب تین چار گھنٹہ تک
حکیم صاحب اور دوسرے مریض ہیں کہ مصروف ہیں اور آپ ہیں کہ یا تو اپنے
ہی خیالی مرض کی ادھیڑبن میں مصروف ہیں یا پھر ہر مریض کا حال
سنکر پریشان ہو رہے ہیں یہان تک کہ مراق کا دورہ اگر زور پر آگیا تو کسی
مریض کے حال کو سنتے ہی اتنے پریشان ہوئے کہ مارے وحشت کے
حکیم صاحب سے بغیر حال کہے کوئی بہانہ کرکے گھر چلے آئے یا بیٹھے بھی تو
اسطرح کہ اپنا حال اور اپنا مراق تو بھول گئے اور اس مریض کے مرض
میں کھو گئے اب جو حکیم نے آپ سے حال دریافت کیا تو تفصیل سے
عرض کرنے کے عوض مختصر سا کچھہ کہکر چلدئے اور دوسری صبح کو سب
سے پہلے پھر مطب میں موجود۔

اب جس دن بھی آپکے منشار کی موافق حکیم صاحب نے آپ سے مخاطبت کی اس دن آپنے جو اپنے مرض کی تفصیل یعنی اسکی پیدائش اسکی قوت اسکی عمر اور اس کے پچھلے علاج اور پچھلے حکیموں اور ڈاکٹروں کے نسخے کی تفصیلات کو شروع کیا تو حکیم نے صاف سمجھہ لیا کہ اب آپ سے پیچھا چھوڑانا مشکل لہذا ثابت شد کہ آپ مراق نمبر اول کے مریض ہیں لہذا اس غریب نے تو ایک نسخہ مراق کا گھنسیٹ دیا اور آپ سے کہدیا کہ کچھہ نہیں آپ کو معمولی نفخ کی شکایت ہے مگر جوں ہی کہ اس نے آپ کے مرض کو معمولی کہا اور آپ اس کے گلے کا ہار ہو گئے اور پھر آپ نے اس مرض کی تمام تفصیل اور دوسرے حکیموں کی تشخیص اون کی ادویہ انکے طریق علاج وغیرہ وغیرہ کی تفصیل سُنا کر ان سے منوانے کی کوشش کی کہ یہ بھی کہدیں کہ ہاں واقعی آپ کا مرض بہت خطرناک ہے اور اب جانے والا نہیں مگر حکیم پھر حکیم ہوتا ہے لہذا اسنے صبر سے کام لیکر کہدیا کہ بہت ٹھیک تو آپ چار دن میرے اس نسخہ کو استعمال کرتے آئیگا تو میں دوسرا نسخہ تجویز کردوں گا اب اسے اطمینان ہوا کہ کم از کم آپ چار دن کے لئے تو گئے مگر یہ حکیم دوسرے ہی صبح کو کیا دیکھتا ہے

کہ آپ موجود ہیں اور تمام مطب ختم ہونے کے بعد آپ نے پوچھا بھی تو
صرف اتنا کہ وہ جو کل آپ نے چار دن کا نسخہ تجویز فرمایا ہے اسمیں میں یہ
نہیں بتایا کہ کھانے میں کس کس غذا سے پرہیز کروں لہذا میں نے نسخہ تو
پی لیا مگر شام کو کھانے کا ناغہ کر دیا یہ سوچ کر کہ کہیں بد پرہیزی نہ ہو
جائے حکیم صاحب کو غصہ تو بہت آیا مگر سوچ کر کہ عجب بے وقوف سے پالا
پڑا ہے مگر حکیم چونکہ غیر یورپی ڈاکٹر ہوتے ہیں اس لیئے انھوں نے غصہ
ضبط کر کے فرمایا کہ اف وجناب کو بڑی زحمت ہوئی اتنی سی بات کے لیئے
اچھا تو بس آپ صرف تیل اور ترشی سے پرہیز رکھیئے اور باقی سب چیزیں
شوق سے استعمال کیجیے اب حکیم صاحب کی اس اجازت کے صاف معنے
یہ تھے کہ جو چاہیں وہ آپ کھائیں۔ مگر آپ نے مارے مراق کے اب خود
حکیم کو ملزم نمبر ۱ قرار دیکر ان سے یوں جرح شروع کر دی۔
اور حکیم صاحب وہ آجکل الہ آباد کے امرود اگر کھاؤں تو خرابی تو نہیں،
مگر حکیم صاحب ترشی تو ان امرودوں میں بھی ہوتی ہے اور حکیم صاحب
وہ والدہ نے فرمایا تھا کہ لوکی کھانیکی اجازت بھی لے لینا۔ اچھا تو میں
نارنگی تو کھا ہی نہیں سکتا تو پھر وہ مٹھائی بھی نہ کھانا چاہیئے کیوں کہ

یہاں تو سچ پوچھئے تو حکیم صاحب یوپی میں ایسی مٹھائی ملتی بھی نہیں اور یہ ہے کہ بڑا شہر ہے لاحول ولا قوۃ۔

مگر قبلہ وہ رات جو میں نے دوا پی تو کوئی نصف گھنٹہ کے بعد مجھے قدرے چکر سے محسوس ہوئے اور . . . .

اب آئے نخے صرف پرہیز کی غذائیں دریافت کرنے مگر بیماری کی تفصیل پھر سے شروع کر دی، غرض کوئی ایک گھنٹہ میں بہ دشواری تمام کا پیچھا چھوڑا تو عطار سے جا لجھے ایک ایک دوا کی اس سے تفصیل پوچھی جا رہی ہے دواؤں کی خاصیت سمجھی جا رہی ہے ان کے نئے اور پرانے ہونے کی تحقیق ہو رہی ہے اور دوسرے گاہک ہیں کہ عطار پر خفا ہو رہے ہیں کہ کس مخبوط الحواس سے الجھے ہوئے ہو ہیں تو دوائیں دید واب جو خدا خدا کرکے گھر پہونچے تو گھر بھر آپ کے مراق سے تنگ یعنی گھر میں اپنے مرض کی شدت اوسکی تکلیف اوسکی طوالت اور اسکی خطرناکی کو ایسے خوفناک الفاظ میں سناتے رہے کہ تمام گھر پریشان اور بیوی اگر تعلیم یافتہ نہ ہوئی تب تو اوس غریب کا چوبیس گھنٹہ ناطقہ بند دواؤں کو رکھنے اور اون کے بنانے میں لاکھوں احتیاطوں کی تاکید دوا پینے اور کھانے کے اوقات کی حد سے گذری ہوئی

پابندی دواؤں کا اپنے سامنے تیار کرانا اور ہر دوا کی خاصیت اور اسکی اصلیت سے بیوی بچوں کو واقف کرتے رہنا یہ آپ کے چوبیس گھنٹہ کے خانگی مشاغل ہوں گے بچھہ ہر وقت یہ وحشت سوار کہ مرض بڑھ تو نہیں گیا اور اسوقت میری جو کیفیت ہے وہ نصف گھنٹہ پہلے کیوں نہیں تھی، بس جہاں کوئی ادنیٰ تغیر بھی محسوس ہوا کہ اب آپ بغیر حکیم کے نہ گھر میں ٹھہر سکتے نہ نوکری پر یعنی جس جگہہ آپ کو اپنی طبیعت میں کوئی فرق محسوس ہوا کہ آپ اسی جگہہ سے حکیم صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اگر طبیعت پر بحالی محسوس ہوئی تو بھی حکیم صاحب کی خدمت میں کھڑے حال بیان کر رہے ہیں اور وہ بھی عجیب عجیب قسم کی تفصیلات سے، اور اگر آپ کسی کالج کے پڑھے ہوئے ہیں تب تو سمجھہ لیجئے کہ آپ کے مراقی علاج کے سبب سے گھر میں افلاس موجود رہیگا۔ یعنی آپ اپنی کالج زندگی کے باعث انگریزی علاج ہی شروع فرمائیں گے لہذا دیئے جا یئے پھر فیس پر فیس اور کمپاؤنڈروں کو انعام پر انعام اب آپ کی جیب میں نسخوں کے ساتھہ ہی سینے، کلیجہ، دل، جگر پھیپھڑے اور آنتوں کے دیکھنے کے انگریزی آلات بھی رہیں گے اور حرارت دیکھنے کا

آلہ تو چوبیس گھنٹہ بغل سے جُدا ہو گا،
جب دیکھئے کھڑے ڈاکٹری معائنہ کرا رہے ہیں پیشاب اور خون کا معائنہ
تو روزانہ کی بات ہے، اب جو مقامی ڈاکٹرے تشفی نہ ہوئی تو کلکتے اور بمبئی
کے ڈاکٹروں سے علاج شروع ہے اور اگر خدا نے چند غریبوں اور
مزدوروں پر حکومت بھی دی ہے تب تو آپ کا مراق یجز پیرس اور
لنڈن کے جا ہی نہیں سکتا آئے دن ہیں کہ باہر سے قیمتی سے قیمتی دوا
کے پارسل چلے آرہے ہیں، آپریشن پر آپریشن اور انجکشن پر انجکشن ہو رہے
ہیں اور غریبوں مزدوروں اور کسانوں کے روپیہ سے آپ ہیں کہ مسوری
شملے اور لنڈن تک ہیں کہ آب وہوا تبدیل کرنے چلے جا رہے ہیں اور وہ
بھی سال میں دو دو مرتبہ مگر مراق ہے کہ بڑھتا ہی جاتا ہے محض اس لیے
کہ جن غریبوں کی کمائی سے آپ مراق پر یوں بے دریغ دولت صرف فرما
رہے ہیں وہ ہیں کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر بد دعا کر رہے ہیں حتی کہ ایک دن تار
آہی گیا کہ آپ پیرس کے سرکاری شفاخانے میں إنّا لله ہو چکے خوشامدی
اخباروں نے آپ کے نوحے چھاپ دئے اور غریبوں نے پوشیدہ طور
پر آپ کی وفات پر خوشی منائی اور اسطرح انگریزی وضع کا مراق ہمیشہ

کسے لیئے فنا ہوگیا،

اس مرض کی پہچان میں زیادہ تحقیق اور محنت کی ضرورت نہیں بلکہ اسکی صورت ہی مراق کا نمونہ ہوا کرتی ہے یعنی ان کے لباس میں کبھی ترتیب اور باقاعدہ تہذیب نظر نہیں آتی یہاں تک کہ گرم کوٹ کی آستین سے قمیص کی آستین ہمیشہ باہر نظر آتی ہیں سر کے بال اول تو طبی مشورہ سے صاف ورنہ پھر یہ خشک بال ہمیشہ فوجی سپاہیوں کی طرح سیدھے کھڑے رہتے ہیں آنکھوں کی وحشت اور گفتگو کا بے ربط ہونا بہت جلد بتا دیتا ہے کہ آپ مراق میں مبتلا ہیں،

اس مرض کا آخری دور نہایت شاندار ہوتا ہے یعنی پھر بازاروں اور سڑکوں پر لوگ ہیں کہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ عجیب عجیب باتیں سنا رہے ہیں،

اس مرض کی چند نہایت نازک غیر محسوس اور ناقابل فہم اقسام اور بھی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ

اخلاق اور انسانیت کے نقطۂ نظر سے کتنا ہی غلط ہو مگر ایشیا اور افریقہ اور بس چلے تو بحر منجمد شمالی کی تہ کو بھی فتح کرو اور شراب پیتے رہو اور یہ بھی نہ ہو تو کم از کم

ملک چین ہی کو فتح کرو اور زندگی کے مزے اڑاؤ،
ایک مراق یہ ہے کہ بلا سے جائیداد پر جائداد قرق ہوتی رہے مگر اخبار
ہر حال میں جاری رہے،
بلا سے ملازمت جاتی رہے مگر ملا رموزی بنے رہو اور مضمون نگاری
نہ چھوڑو،
بلا سے دنیا و انسانیت میں آپ کو قبرستان میں بھی جگہہ نہ ملے مگر "جی حضوری"
کا پیشہ اختیار کیئے رہو، اور خطابات حاصل کرتے رہو،
اور بلا سے بچے بھوکے رہیں مگر زیور پر زیور بنواتی رہو اور پہنتی رہو۔
پس خدا ہر مسلمان کو اس مرض سے محفوظ رکھے آمین،

غنودگی

غنودگی کو تمام گل بنفشہ قسم کے حکیموں نے ایک بیماری تسلیم کیا ہے جو مزاج کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتی ہے اور پیدا ہونیکے بعد اسکی عملی صورتیں وہ ہوتی ہیں جو اس مضمون میں آپ کو نظر آئینگی اور ویسے انسان کے اندر غنودگی بھی خدائے فیاض کی دی ہوئی نعمتوں میں سے وہ لطیف تر نعمت ہے جس کے شکر سے عہدہ برآ ہونا کم از کم ہمارے امکان سے تو قطعاً باہر ہے۔ دنیا کے عظیم الشان مدبر۔ جلیل القدر سپہ سالار۔ باوقار علماء صاحب عظمت وزرا۔ اور شوکت پناہ شہنشاہ سب اس نعمت سے بقدر ظرف بہرہ یاب ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ یعنی "اونگتے ہیں" غلط ہے کہ اس کیفیت کا نمایاں اثر صرف افیونی حضرات پر زیادہ ہوتا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ کہ گانجہ۔ چرس اور بھنگ اس تاثیر کے محرک ہیں بلکہ یہ جان پرور کیفیت ان سب کی امداد بغیر پیدا ہوتی ہے۔ اور جب پیدا ہوتی ہے۔ تو انسان دنیا و مافیہا سے یک لخت . . . .

. . . .

اس کمترین نے جہاں تک غور کیا غنودگی کا تعلق تین چیزوں سے بہت کافی پایا۔ عمر۔ موسم۔ اور قوائے جسمانی چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ پچاس برس کی عمر کے بعد سے لوگ دیوار کے سہارے بیٹھے بیٹھے کا...

اگر انہیں کسی نے زور سے آواز دی تو نیم باز آنکھوں سے ذرا دیکھ لیا اور پھر

موسمی لحاظ سے غنودگی کا غلبہ گرمی کے موسم میں خاص شدت اختیار کرلیتا ہے۔ اکثر یہ ہی ہوا ہے کہ کھانا کھا کر پلنگ تک جانا محال ہوگیا ہے اور بعض بزرگ تو دستر خوان پر ہی ....

....

مگر قوائے جسمانی کے لحاظ سے مذکورہ دونوں اصول غلط ثابت ہوتے ہیں جبکہ ہم ریل گاڑی میں معاملہ اس کے بالکل برعکس پاتے ہیں۔ چنانچہ آپ ریل گاڑی میں چاہے جسقدر نوجوان اور تندرست آدمی کو سوار کر دیجئے۔ اور چاہے جس موسم میں سوار کر دیجئے وہ ایک اسٹیشن تک تو کھڑکی سے مناظر قدرت کی سیر میں مصروف رہیگا۔ مگر دوسرے

اسٹیشن سے تیسرے اسٹیشن تک کے درمیانی فاصلے میں کم از کم اکسو اکیس نمبر

....

اگر اسٹیشن پر گاڑی تین منٹ ٹھیرے گی تو گی کی آواز سے وہ بیدار بھی ہو جائے تو گاڑی روانہ ہوتے ہی وہ پھر ....

....

غنودگی کا غلبہ یوں تو بے حد راحت بخش اور حلاوت اندوز ہے لیکن یہ بعض جگہ نہایت نقصان رساں بلکہ توہین انگیز ہوتا ہے جہاں غنودگی کے پہلے ہی حملہ میں بستر اور صندوق ندارد اور اس لیے اللہ بخشے ہمارے بڑے مولوی صاحب ریل میں اپنا صندوق اپنے کمر بند سے باندھ کر بیٹھتے تھے دوسرا نقصان مطالعہ کے وقت ہوتا ہے جہاں آپ نے کتاب کا صفحہ ڈیڑھ صفحہ پڑھا کہ ....

....

خصوصاً ایسے طلبہ پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جو انٹرنس کے امتحان کی لیے تیاری میں مصروف ہوتے ہیں اگرچہ نوجوان طلبہ بھی اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کرتے ہیں مگر سب بے سود مثلاً ہمارے ایک مستعد شاگرد

نے غنودگی سے تنگ آ کر کرسی پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا۔ لیکن اس حد تک مفید ثابت ہوا کہ وہ مسلسل بارہ صفحات پڑھ گئے۔ لیکن اس کے بعد کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مع کرسی ....

....

غصہ میں آ کر انھوں نے دوسری تدبیر اختیار کی یعنی اس مرتبہ انھوں نے انگریزی کرسیاں پھینک کر مشرقی قالین کے فرش پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا جس کے معنی یہ تھے کہ غنودگی کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہو گا بے شبہ وہ دیر تک پڑھتے رہے۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے صرف دونوں کھنیاں قالین پر جما دیں پھر آہستہ سے دونوں پاؤں پھیلا دیے اور مطمئن تھے کہ غنودگی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی کہ ....

....

جب نے جا کر دیکھا تو کتاب پر سر دھرا ہوا تھا اور خود ....

....

بیدار کیا تو جھنجلا کر رہ گئے اور منہ ہاتھ دھو کر آئے اور اس مرتبہ بہت زور سے چلا چلا کر پڑھنا شروع کیا مگر ابھی آواز میں کوئی دل پسند سُر

بھی پیدا نہ ہوا تھا کہ ....

....

یہ تو تھے غنودگی کے نقصان رساں پہلو۔ توہین انگیز پہلو نماز باجماعت اور محفل وعظ و میلاد میں دیکھے گیے ہیں۔ مثلاً موسم گرما کی نماز ظہر میں امام صاحب طویل تر سورت پڑھتے ہیں۔ لہذا اگر آپ مسجد کی صف میں کسی معزز آدمی کے برابر نماز کے لیئے کھڑے ہو گئے تو سمجھ لیجیے کہ توہین ہو کر رہے گی۔ مثلاً جہاں امام صاحب الحمد شریف سے آگے بڑھے تو آپ کو تمام جسم میں ایک سنسنی محسوس ہوگی تو آپ ایک پائوں پر کھڑے ہو جائیں گے اور دوسرے پائوں کو آرام دیں گے۔ لیکن سنسنی بڑھتی جائیگی اور آپ کی گردن خود بخود گریبان کی طرف جھک جائیگی۔ پھر کچھ دیر بعد آپ نیت باندھے پاس والے نمازی پر دھڑا دھڑ ....

....

اب اگر اس حالت میں امام نے رکوع کیا تو آپ کو رکوع کرنا محال سا معلوم ہوگا۔ مثلاً آپ نیت کے ہاتھ تو چھوڑ دیں گے مگر رکوع کے لیئے خمیدہ ہونا معلوم۔ اسی طرح پہلے سجدہ کے بعد جب امام صاحب ہاتھوں کو دوسرے

سجدہ میں جانے کے لیئے جنبش تو دیں گے مگر درمیان ہی میں .....

....

پھر سر اوٹھا کر کچھ پڑھنا چاہیں گے۔کہ ....

....

یہاں تک کہ امام صاحب سجدہ سے سر اوٹھائیں گے تو آپ گھبرا کر
یا تو سجدہ میں بغیر امام کے چلے جائیں گے یا نادم ہو کر ایک ہی سجدہ پر قناعت
کر لیں گے اور یہیں تو نماز باجماعت میں غنودگی کا یہاں تک تجربہ ہے
کہ امام صاحب نے نماز ختم کرتے ہوئے کہا۔ اسلام علیکم ورحمتہ اللہ مگر
یہاں قاعدہ آخر ہی میں بیٹھے رہے۔جب پاس والے نمازی نے کہنی
مار کر بیدار کیا تو معلوم ہوا کہ نماز ختم ہو گئی مگر فوراً سبحان اللہ اور الحمد للہ
کہہ کر غنودگی کی خفت کو کم کیا جو ناکام رہی اور اللہ بخشے بڑے مولوی صاحب
چلا کر کہتے تھے کہ جب ایسی ہی نیند آتی ہے تو جماعت سے نماز ہی کیوں
پڑھتے ہو؟ اور اقرار ہے شاید اسی لیئے نماز باجماعت ترک کر دی ہے
وعظ یا میلاد کی محفل میں اگر کہیں جگہہ ناکافی ہو اور لوگوں میں گھُس
کر بیٹھ جایئے اور وعظ کہنے والے سمت سے بریلی۔ بدایوں۔ مراداباد

یا دیوبند کی طرف کے ہوں تو پھر دس بجے رات کے بعد سے غنودگی کا
• سلسلہ یقینی طور پر شروع ہوجاتا ہے اور لوگ پہلے آہستہ سے آنکھیں
کھولنا اور کبھی بند کرنا اختیار کرتے ہیں اور اگر کسی ایسی جگہ بیٹھ گئے
جہاں محفل کی روشنی چہرے تک نہیں آتی تو پھر غنودگی نہایت اطمینان
سے آپ کی گردن کو گریبان کی طرف جھکا دیتی ہے پھر دونوں گھٹنے کھڑے
کر لیئے جاتے ہیں اور اون پر دونوں ہاتھ رکھے جاتے ہیں اور اب جیسے
ہی گردن جھکائی کہ ....

....

آنکھ کھلی تو کہا سبحان اللہ اور پھر ....

....

اس موقعہ پر سبحان اللہ کے یہ معنی ہوا کرتے ہیں کہ ہم وعظ بہت غور
سے سن رہے ہیں۔ اونگتے نہیں ہیں حالانکہ لمحہ بہ لمحہ ....

....

تاآنکہ وعظ ختم ہوگیا لیکن یہاں ہیں کہ ....

....

اور اگر وعظ والے مکان میں غنودگی کے وقت سہارے کے لیئے کوئی دیوار
ہاتھ آگئی تو پھر تمام محفل والے اپنے اپنے گھر جا پہونچے۔ لیکن یہاں دیوار سے
تکیہ دیئے ....
آخر کار صاحب مکان آتا ہے اور دیکھتا ہے اٹھیئے حضرت تبرک لیجئے تب
کہیں ایک بڑی سی جمائی لیکر لاحول ولا کہتے ہیں اور بادل ناخواستہ
گھر تک آنا پڑتا ہے۔

ہم کوئی حیدرآباد کے وظیفہ یافتہ یا منصب دار اہل قلم تو نہیں ہیں
کہ فکر معاش سے بالکل آزاد رہکر دن کی بہترین روشنی میں انشاء پردازی
فرماتے رہیں بلکہ دن بھر تو رہتے ہیں دفتر کے "منشی جی" اور شب کے
ابتدائی حصہ میں ننھے میاں کو کھلاتے رہتے ہیں جب وہ سو جاتے ہیں اور
وہ بھی سو جاتی ہیں تو آنکھ بچا کر مضمون شروع کرتے ہیں۔ اور کوئی ایک
دو پر تلیس اخباروں اور رسالوں کے لیئے اسوقت مضامین تیار کرتے
ہیں نتیجہ یہ ہے کہ شب بیداری سے خدا معاف کرے صبح کی نماز
....
مگر اس کو کیا کیجیئے کہ دین و دنیا کی وجہ نجات محترمہ والدہ صاحبہ اذان

کے وقت سے اُٹھانا شروع کر دیتی ہیں۔ ادھر ممدوحہ کا اثر اور رعب اس قدر
ہے کہ چوں نہیں کر سکتے جہاں ممدوحہ نے آواز دی بھیا! اور ہم فوراً جی
بہت اچھا کہہ کر چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آنکھیں مل کر دیکھا۔ کہ اماں بی
کدھر ہیں۔ اگر وہ اپنے کمرے میں نماز کے لیے تشریف لے گئیں تو اب غنودگی
نے ہمیں آلیا۔ اور ہم نے پھر تکیہ کی طرف رخ کیا اور درمیان ہی ہیں......

....

مگر اماں بی بھی خوب جانتی ہیں کہ ہم آدھ گھنٹہ تک اونگتے رہتے ہیں اس لیے
وہ بھی آوازوں کا تار باندھ دیتی ہیں جہاں ہمیں دیکھا کہ ہم ....

....

کہ انھوں نے فوراً کہا ہوں۔ اور ہم فوراً تیزی سے ہشیار تو ہو گئے مگر
پھر ....

اب چارپائی سے نیچے پاؤں لٹکا دیے۔ مگر آنکھیں بند اور.........

....

کہ پھر انھوں نے پکارا بھیا سورج نکلنے والا ہے۔ اب ہم نے تکیہ کو پاؤں پر
رکھ کر جھومنا شروع کیا۔ کہ پھر بھیا! اور ہم فوراً سنبھل گئے۔ ایک مرتبہ منہ

پھر ہاتھ پھیرا۔ کبھی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ لے گئے کہ پھر ....

....

یہاں تک کہ اب ننھے کی اماں نے ہمارے پاس پانی کا لوٹا بھی لاکر رکھ دیا تو ہمنے اونہیں بہت غصہ سے دیکھا مگر اونھوں نے اماں بی کو سنانے کے لیئے مسکرا کر اور بھی زور سے کہا۔ اوٹھتے کیوں نہیں ہو بیٹھے اونگھ رہے ہو۔ وہ تو یہہ کہکر کمرے میں بھاگ گئیں۔ اور ہم جھنجھلا کر لوٹا ہاتھ میں لیئے گھر سے میونسپل بورڈ کی طرف چلے۔ اب حسب دستور عام صبح چونکہ یہ گھر کے میونسپل بورڈ میں حاجتمندوں کی کثرت ہوا کرتی ہے لہذا اگر اندر سے کسی کے کھانسی کی آواز آگئی تو ہم وہیں لوٹا ہاتھ سے رکھکر بیٹھ گئے اور لگے

....

یہاں تک کہ خاصی صبح ہوگئی۔ اور ہم ....

....

غرض دعا ہے کہ خدا صبح کی غنودگی سے ہر شریف آدمی کو بچائے اگر دلی کے شفے

....

حکیم جی اسکا کوئی نسخہ تجویز فرمائیں تو ایک تول کے خریدار ہم بھی ....

دردِ دل

مرادردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

فارسی زبان میں یہ مرض اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کسی حکیم سے علاج کے خیال سے اس کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تو مریض کی زبان جل جاتی ہے اور اگر اس کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اس کی تکلیف کو برداشت کرنے کا ارادہ کیجے تو اس سے ہڈیوں کے اندر والے گودے تک کے جل جانیکا ڈر پیدا ہوتا ہے۔

مگر زبانِ اردو میں یہ مرض اکثر اوقات نہایت مزا دیتا ہے البتہ اس کے پیدا ہونے کے اسباب میں کافی سے زیادہ اُلٹا پن پایا جاتا ہے یعنی حکیموں کے خیال میں تو یہ مرض بھی عام صحت کی کمزوری اور مزاج کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتا ہے اور خصوصیت سے اس ۱۹۲۳ء سنہ عیسوی کے زمانے کے نوجوانوں کو بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کی پیدائش کی جگہہ انگریزی زبان کے مدرسے کالج اور بورڈنگ ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے

علاج میں، حکیم عامل کریم الدین لاہوری، پیر جی عامل لکھنوی، اور دوسرے پیرو، ولیوں، صوفیوں، قطبیوں اور تعویذوں کو بڑا دخل ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ مرض عقل کی بلندی، احساس کی تیزی اور علم و فضل کی صحیح روشنی سے زیادہ پیدا ہوتا ہے مسلمانوں میں جب سے علوم اسلام کی تعلیم کو ترک کر کے انگریزوں سے بات چیت کرنیکے لئے انگریزی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا اوس وقت سے خصوصیت سے یہ مرض مسلمان دولت مندوں میں زیادہ پھیل گیا یہاں تک کہ ان ہندوستانی دولت مندوں کے علاج کے لئے یورپ کے ہر شہر میں اس کے شفا خانے بنانے پڑے خاص کر ان کا علاج لنڈن اور پیرس میں بڑی خوبصورتی سے ہوتا ہے۔

مسلمان سیٹھوں، اور مہاجنوں میں علوم کی کمی کے باعث عقل سلیم ہمیشہ کم ہوتی ہے مگر دوسروں کی کمائی کا روپیہ ان کے قبضہ میں کافی ہوتا ہے جسے یہ طبقہ اپنے باپ دادا کی جائداد سمجھکر خرچ کرتا ہے۔ پس دولت کی اس کثرت سے انہیں یہ مرض لاحق ہوتا ہے بلکہ اکثر انہیں لاحق نہیں ہوتا تو لاحق کرایا جاتا ہے"

جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان مہاجنوں کے پاس ایسے کم نصیب لوگ

ملازم رہتے ہیں جنھیں بغیر ملازمت کے روٹی نہیں مل سکتی پس یہ اپنی روٹی کو ٹھی
اور موٹر کی خاطر اپنے آقا کے دل کے بالکل بیچ میں یہ درد پیدا کرا دیتے ہیں
اس طرح کہ اونہیں یقین دلاتے ہیں کہ آپ سے حسن کے برابر شاید ہی
کسی دوسرے کو حسن ملا ہو وہ دیکھیے "تاکہ لندن کے اخبار اور فوٹو گرافر
حضور کے فوٹو کے لیے اور دن کس بے خودی کے ساتھ آپ کا موٹر گھیرے
ہوئے تھے اور ہاں وہ خوب یاد آئی کہ اوس نے آپ کو سوائے ہوٹل پیرس میں
دعوت بھی تو دی تھی اور واللہ جرصاحب وہ بھی اپنے وقت کی "ملکۂ جمال ہے"
بس اتنے تذکرہ سے حضور کے دل میں یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے ابتدا میں تو
اس سے خط و کتابت تار بازی اور پیغام بروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے
جس پر غریبوں کی آمدنی کے ہزاروں روپیہ بے دریغ خرچ کر دیئے جاتے
ہیں، لیکن مرض میں اقاقہ کے عوض زیادتی ہوتی ہے تو پھر ملازمین میں سے
بعض لوگ ان کے "خفیہ کارکن" بن جاتے ہیں جن میں اچھے اچھے بی، اے
اور ایم اے، پاس ہوتے ہیں مگر محض دولت کمانے کی خاطر یہ لوگ ان
مہاجنوں کے اس مرض کے علاج کے لئے ذلیل سے ذلیل حرکات پر
اُتر آئے ہیں۔

ادہر تو یہ ہوتا ہے کہ مریض درد دل کی اعلیٰ درجہ کی کوٹھی میں اعلیٰ درجہ کی مسہری پر اعلیٰ درجہ کے بجلی کے پنکھوں اور بجلی کی روشنی میں بیٹھے اس درد کی یاد میں ہارمونیم اور فونوگراف باجے بجاتے رہتے ہیں اور اُدہر جب اوس درد دل کو یقین آجاتا ہے کہ فلاں دولت مند میرے خیال میں مبتلا ہو چکا ہے تو پھر وہ بھی لنڈن پیرس اور بنارس کی تمام نقاشیوں کو صرف کرکے ان کے درد میں اضافہ کرنے پر تل جاتی ہے' اس درد کا پہلا دورہ یوں پڑتا ہے کہ دولت مند صاحب غریبوں کی کمائی کے کئی ہزار روپیہ نقد لیکر اپنے ضمیر اور عزت فروش خدام کے ساتھ وطن سے بغرض تبدیل آب وہوا اوسی شہر میں جاکر مقیم ہوجاتے ہیں جہاں ان کی۔ درد دل رہتی ہیں۔ پھر قیام بھی ویسے ہی شان کے ہوٹل میں ہوتا ہے۔ اور اب ہوٹل والوں سے لیکر اس شہر کے بھنگیوں، دہوبیوں، نائیوں، اور قلیوں تک پر خوب خوب روپیہ برسایا جاتا ہے تاکہ ان کی۔ درد دل" کو معلوم ہوجائے کہ ان کا مریض بڑی شان والا ہے پس ان کی اس حرکت سے اوس شہر کے لُچّے، شہدے، لگر فینٹن اپیل بدمعاش ان کی بیمار داری کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں اور دولت مند مریض صاحب ان کے ہر جھانسے میں بخوشی پھنس جاتے ہیں

محض اس لیئے کہ غریبوں کی کمائی کی خاص رقم انکے بنکس میں موجود رہتی ہے، پس یہاں سے مریض اور درد دل کے درمیان شاندار پیغام بازی شروع ہو جاتی ہے جس میں قسم اول کے موٹر کاریوں دوڑتے ہیں کہ جنمیں آپ کو صحیح وسلامت گذرنا محال ہو جاتا ہے اس پیغام بازی میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ انگریزی لباس میں رہتے ہیں اور انکے پاس بے شمار نوٹ اور ریوالور بھی رہتے ہیں جب یہہ ہوتا ہے تو درد دل بھی نہایت آراستہ پیراستہ ہو کر کوٹھے پر نظر آنے لگتی ہیں کیونکہ اکثر ہندوستانی دولت مندوں کی درد دل دھلی کے چاوڑی بازار آگرہ کے کناری بازار، لاہور کے بٹی بازار اور بمبئی کی سفید گلی ہی میں رہنے والی ہوتی ہیں اور بعض کی لندن یا پیرس میں اور حال ہی میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ملک اٹلی کی پیداوار میں بھی یہ تاثیر پیدا ہو چلی ہے

غرض آپ تو رات کے وقت بھی چاوڑی بازار سے گذرنا ایشیائی اور اسلامی حیا وتہذیب کے خلاف سمجھں گے مگر ان مریضوں کے موٹر کار اس بازار میں دن کے وقت بھی کھڑے ہوئے پائے گئے

ہیں، اب جب لاکھوں روپیہ کے قریب درد دل خستہ فرمالیتی ہیں تو پھر مریض درد دل صاحب سے ہلکی سی رسم و راہ شروع ہوتی ہے مگر اتنے عرصہ میں پیغامبر لوگ، تار کے ذریعہ مریض کے وطن سے پھر لاکھ سوا لاکھ روپیہ منگا لیتے ہیں اور پھر علاج شروع ہو جاتا ہے۔ اس علاج میں عورتوں کی برہنہ تصاویر، گراموفون باجہ، داغ و امیر کی عاشقانہ غزلیں، رنڈیوں کا ناچ گانا، اردو کے رسالوں کے عریاں افسانے، اکسیر اعظم کا کام دیتے ہیں اور مریض کو خاصہ افاقہ ہوتا رہتا ہے مگر درد دل بالکل ہی نہیں جاتا بلکہ مریض کی حالت اندر ہی اندر خراب ہوتی جاتی ہے اُدھر تو یہ علاج دھلی، لاہور، آگرہ اور بمبئی میں ہوتا رہتا ہے اور ادھر مریض کی بیوی کو اس مرض کا علم ہوتے ہی دق کا مرض پکڑ لیتا ہے جس سے نجات کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا تو یہ بیوی خدا گنج کا راستہ اختیار کرتی ہے یا پھر وہ بھی کسی ڈرائیور یا گھر کے ملازم کو اپنا درد دل بنا کر بیمار ہو جاتی ہے اور اچھی بھی ہو جاتی ہے

اس مرض* پر جب درد دل کے دورے پڑتے ہیں تو وہ بجائے یا خدا یا اللہ کہنے کے عاشقانہ اشعار پڑھتا ہے، ناولیں اور افسانے دیکھتا

ہے یا سنتا ہے یا پھر غریبوں کی کمائی کے روپیہ سے ایک ایک دن
میں دس دس مرتبہ اعلیٰ درجہ کے کپڑے بدل کر ایک اعلیٰ درجہ کے موٹر
میں بیٹھکر اپنے دردل کی کوٹھی یا کوٹھے کے آس پاس چکر لگاتا رہتا
ہے، تب اسے سکون ہوتا ہے یا پھر اپنے درد دل کے لئے ہزاروں
روپیہ کے ولایتی زیور، کپڑے، پھل اور وغیرہ وغیرہ بھیجنے میں مصروف
رہتا ہے تب اسے قدرے سکون ہوتا ہے اور اس عرصہ میں پھر تار کے
ذریعہ وطن سے ہزاروں روپیہ منگا لیتا ہے
اول تو اس مریض کا جسم بھی نہایت ہٹا کٹا اور تندرست رہتا ہے لیکن
پھر بھی رات اسے نیند نہیں آتی تو یہ مریض اس شعر کو زیادہ پڑھتا رہتا ہے

ایک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا پیدا ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھکر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

اس مریض کو پرہیز میں یہ چیزیں بتائی جاتی ہیں کہ
اس مرض کی اطلاع گھر بھر میں کسی کو نہ ہو وطن والوں کو معلوم نہ ہونے
پائے خصوصاً ماں باپ کو، بیوی سے ہمیشہ علاحدہ رہا جائے اور اگر وہ
خود بے غیرت بن کر پاس آجائے تو اس سے اس درجہ غصے یا افسردگی

سے بات کیجائے کہ پھر اسے دوبارہ پاس آنے کا حوصلہ نہ ہو۔ اپنے ذمہ
کا کوئی ایک کام خود نہ کیا جائے بلکہ سارا کاروبار نوکروں پر چھوڑ دیا
جائے اور خود درد دل کی یاد میں مسہری پر پڑا رہنا چاہیئے۔
جب اس درد کے متعدد دورے پڑ جاتے ہیں تو پھر مریض کے کارکن
بی/لے، پاس اوے حکیموں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کی
ہاں ایسے مریضوں سے ملنے اون کے قیام کرنے ان سے راز میں مرض
کی تفصیل سننے کے لیئے نہایت شاندار کوٹھیاں اور کمرے بنے ہوئے
ہیں اسیطرح اس قسم کے مریضوں کے لیئے ان حکیموں کے ہاں دوائیں
بھی اتنی قیمتی تیار ہونے لگی ہیں کہ ایک تولہ کی قیمت سے آدھا
دھلی خریدا جا سکتا ہے اسیطرح ان مریضوں کے حکیم ریل کے فرسٹ
کلاسوں میں بلائے جاتے ہیں ورنہ ہمارے آپ کے زمانے میں بڑے
بڑے حکیم لوگ بیچارے کھانستے ہوئے پا پیدل یا فنیس میں آیا جایا کرتے
تھے اور بڑی سے بڑی دوا کے ڈیڑھ ٹکے کی بتا جاتے تھے مگر
جب سے اس قسم کے مریضوں کی کثرت ہوئی ہے اسوقت سے ان
بوڑھے سے بوڑھے حکیموں کے گالوں پر گوشت اور سرخی اتنی زیادہ

ہوگئی کہ دیکھئے اور حکیم صاحب کی آمدنی کی مقدار کو سمجھ جایئے اور مشہور یہ ہو رہا ہے کہ "دیسی طب" ترقی کر رہی ہے

القصہ اس قسم کے مریض کی حالت اسوقت نہایت ناگفتہ بہ ہوتی ہے جب اسکی دردِ دل لاکھوں روپیہ کا صفایا بول کر فرار یا ناراض ہو کر کسی فلم کمپنی کی مالک بن جاتی ہے۔ لہذا اسوقت شہر بمبئی یا شہر میرٹھ میں ریوالوروں کے ذریعہ دو چار صدقے کے بکرے چڑھائے جاتے ہیں اور بیوقوف لوگ اڑا دیتے ہیں کہ "قتل ہو گیا"

ان مریضوں کے بعد دوسرے قسم کے مریض آجکل کے انگریزی طلبہ ہوتے ہیں جنھیں چھٹی ساتویں جماعت ہی سے یہ درد پکڑ لیتا ہے جسکی پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ مریض ہر سال امتحان میں ناکام رہنے لگتا ہے دوسری علامت یہ ہوتی ہے کہ اسکی ہر کاپی پر عشقیہ غزلیں اور اشعار نقل کیے ہوئے ملتے ہیں اس مریض کی دوا اکثر "گرلس سکول کے قریب" ملتی ہے یا پھر اسی کی جماعت میں ہوتی ہے بس اس مرض کے پیدا ہوتے ہی لڑکے کی حالت کم عمری کے باعث اتنی زیادہ خراب

ہوجاتی ہے کہ محلے والے تک سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بے چارا درد دل میں مبتلا ہوگیا ہے پس یہ مریض اس درد سے شفا پانے کے لیے پرانے رنگ کے مولویوں اور جاہلوں کے بتائے ہوئے عمل زیادہ استعمال کرتا ہے جب دیکھو کمرے میں بیٹھا کوئی نہ کوئی وظیفہ پڑھ رہا ہے اور نام یہ کہ امتحان کی تیاری کر رہا ہے اس کے درد دل کو اس کے ساتھ کے طلبہ بہت جلد تاڑ جاتے ہیں اور دن بھر اوسکا نام لیکر اسے چڑانے پھرتے ہیں یہ مریض اکثر اشتہاری تعویذ اور عمل زیادہ خریدتا ہے اس کے پاس حکیموں اور یونانی شفاخانوں کی فہرستیں بھی زیادہ ملتی ہیں ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ شاعر بن جاتا ہے اور رسالے والے اسکی عشقیہ غزلوں سے تنگ آجاتے ہیں اور اگر اسمیں کا کوئی مضمون نگار بن جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے ٹیگور کے رنگ کے مضامین لکھتا ہے اور رسالہ "نگار لکھنؤ" کے مضامین کو زیادہ پسند کرتا ہے اس کا درد دل جہاں رہتا ہے یا رہتی ہے یہ اوس کے مکان کے پاس زیادہ گھومتا ہے، اگر اسے مارے درد کے کسی طرح چین نہیں آتا ہے ذریعہ ہونیکے باعث اس کے درد دل کو اکثر خبر بھی نہیں ہوتی کہ فلاں طالب علم درد میں مبتلا ہے اسی طرح یہ کم عمری کے باعث اس درد

کے اظہار میں ذرا شرماتا بھی ہے مگر جب اس پر زور و شور کا دورہ پڑتا
ہے تو اس کی بدحواسی اور پریشانی سے اس کے ساتھی لڑکے اور اس
کے ماں باپ تاڑ جاتے ہیں مگر ہمدردی یوں کرتے ہیں کہ سب طرف سے
اسے گدھا، بے وقوف، احمق، الّو، خبطی، آوارہ، بدچلن اور بدکردار کہا جاتا
ہے۔ مگر یہ نمازیں اور وظیفے پڑھ پڑھ کر چھینچتا ہی رہتا ہے
اس درد کی شدت کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنی دردِ دل
کی تصویر کو ہر لمحہ اپنی جیب اپنی گھڑی یا اپنی کتاب میں رکھتا ہے اور درد
دل کے نام کے مخفف حروف کو اپنے ہاتھ پر نیلی روشنائی سے لکھ لیتا ہے
بعض طلبہ اس نام کو ہاتھ کے چمڑے میں پیوست کر کے بیٹے آگ سے جلا دیتے
ہیں، اس قسم کے مریض درد کی شدت سے آوارہ اور واہی تباہی بھی
ہو جایا کرتے ہیں۔ خصوصیت سے تعلیم کا سلسلہ برباد ہو جاتا ہے اخلاقاً
تو یہ نہ دین کے رہتے ہیں نہ دنیا کے۔ مگر درد کا نتیجہ بھی بہت جلد برآمد
ہو جاتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہے ایک یہ کہ دردِ دل چند برس بعد
خود ہی کافور ہو جاتا ہے ایسا کہ پھر قسم کھانے کے قابل بھی باقی نہیں
رہتا، یا پھر افلاس، کم علمی، اور حماقت کی کثرت سے ریل کے سامنے

لیٹ کر کوئیں میں گر کر، افیون کھا کر یا کوئی انگریزی زہر کھا کر ختم ہو جاتی ہیں اور پولیس والے حسد اور رشوت نہ ملنے کے باعث مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں لڑکے نے خود کشی کر لی اور جیب سے ایک خط بھی بر آمد ہوا۔

ان اقسام کے بعد اس درد کی ایک قسم ایسی ہوتی ہے جس کو مریض کو مریض کہنے کے عیوض مریضہ کہتے ہیں اور اسی میں یہ مرض پایا جاتا ہے اس مریضہ کو یہ درد ۱۳ برس کی عمر سے لاحق ہوتا ہے اور اس مرض کا حملہ یا آغاز خود مریضہ کے حسن و جمال سے ہوتا ہے پھر آجکل کے فیشنی لباس، کلب، ٹھنڈی سڑک، سینما، اردو کے رسالوں کی تصاویر اور عشقیہ مضامین سے، اور ہاں اشعار سے بھی، اور ہاں اسکولوں سے بھی اور کالجوں سے بھی، غرض جب اسکی ابتدا ہوتی ہے تو مریضہ پہلے تو اسے ضبط کرتی ہے۔ مگر موجودہ زمانے میں مشرقی علوم و آداب کی تباہی کے باعث اسے زیادہ حیا اور شرم سے کام لینے کی ضرورت نہیں، ہوتی اس لئے کہ اس درد کے پیدا ہونے کے اکثر اسباب اور مواقع آجکل کے فیشن ایبل ماں باپ اور بھائی ہی جمع کر دیتے ہیں

پس مریضہ فوراً ہی اپنے دردِ دل کو خط لکھتی ہے جسکی ابتدا تو بڑی نیک خیالی سے ہوتی ہے مگر انتہا اکثر شفایابی پر ہوتی ہے "رفتہ رفتہ بہم شود درماں" کے قاعدے سے یہ اپنے دردِ دل کو خود ہی پا لیتی ہے
جب سے اس درد کا دورہ پڑتا ہے تو یہ ہارمونیم اور فوٹوگراف سے دل بھلاتی ہے، پھر تصویر سے پھر آئینے کے سامنے بیٹھکر اپنے سر کے بالوں اور چہرہ کی آرائش سے پھر رسالوں کے عشقیہ مضامین سے دوسرے دورہ پر یہ خود شاعر ہو جاتی ہے یا مضمون نگار۔

. . . .

. . . .

. . . .

یورپ میں تو ایسی مریضہ کو
حق دیا گیا ہے کہ اسے جسوقت بھی یہ درد شروع ہو وہ آزادی سے چلائے چیخے اور تڑپے اور آہ کرے مگر ہندوستان میں بھی اسے اور ایم لئے پاس اسی رفتار سے پیدا ہوتے رہے تو کم از کم دس

برس اس مریضہ کو ضبط کی تکلیف ہوگی اور دس برس بعد یہاں
بھی ایسی مریضہ آزادی سے چلا سکے گی کہ ہائے رے مری" پچھلے
زمانے میں جب اس مرض کی مریضہ روز بروز گھلتی جاتی تھی اور تپ
دق میں مبتلا ہو جاتی تھی مگر اس زمانے کی مریضہ اس درد کے دورہ
سے زیادہ خوش ہوتی ہے ہر وقت مست اور مخمور سی نظر آتی ہے،
شوخیاں اور اٹکھیلیاں بڑھ جاتی ہیں ساری سہیلیوں میں سب سے
زیادہ تیز باتیں کرتی ہے۔ بات بات پر کھل کھلاتی ہے اور جب درد
کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو گھر بار چھوڑ چھاڑ کہیں چلی
جاتی ہے اور شہر کے مخالف مشہور کر دیتے ہیں کہ "فرار ہو گئی" یا "اغوا"
کہیں کہیں افیون کھا کر یا کپڑوں میں آگ لگا کر اس کا علاج کر لیتی ہے۔
مگر بہت کم۔

*

اب وہ جو اوپر لکھا تھا کہ یہ مرض اصل میں عقل کی بلندی احساس کی تیزی
اور علم و فضل کی لاجواب صلاحیت سے بھی پیدا ہوتا ہے تو اس کی بہترین
مثالیں تو بہت لوگ ہیں۔

رئیس اعظم غازی مصطفےٰ کمال پاشا۔ ہز مجسٹی رضا پہلوی شاہ ایران۔ سلطان المعظم غازی عبدالعزیز ابن سعود شاہ نجد و حجاز۔ رئیس اعلیٰ غازی احمد اسکندر زغو پاشا شاہ البانیہ

یعنی ان لوگوں کا درد دل بس یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی قوم اور سلطنت کو جب غیر قومی لوگوں کے اثر میں پاتے تھے تو مارے درد کے بےچین ہو جاتے تھے اور اب جو یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو گویا ان کا درد دل جاتا رہا۔ اور انھیں غسل صحت نصیب ہو گیا۔

دوسرے درجہ میں یہ درد ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کے نام مولینا محمد علی علیہ الرحمہ مولینا ظفر علیخاں مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری۔ مفتی محمد کفایت اللہ مفتی اعظم ہند ہیں۔

اور تیسرے درجہ میں یہ درد ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کے نام خواجہ حسن نظامی مولوی راشد خیری دھلوی اور ملا رموزی ہوتے ہیں ان میں سے ایک کا درد تو فرید ول فر آصف جاہ نظام دکن کی ارد و نواز فیاضیوں سے کافی حد تک کم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کا درد رسالہ "عصمت" کے ذریعہ کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی معتدل،

اب رہے مُلّا رموزی تو اون کے اس درد دل کا یہ عالم ہے کہ یہ حضرت ایسی منحوس گھڑی سے اس درد میں مبتلا ہوئے ہیں کہ پندرہ برس سے یہ کسی طرح کم ہی نہیں ہوتا ان کے درد کا دوسرا نام مضمون نگاری ہے۔

پس ان حضرت کی خطا یہ ہے کہ انھوں نے مضمون نگاری کا ایک ایسا حصہ اپنے ذمہ لے لیا جس کے ذریعہ پڑھنے والوں کو ہنسایا جاتا ہے اور غم والم میں مبتلا مریضوں کو شفاء کامل دیجاتی ہے۔

مگر خود ان کا علاج یوں ہوا کہ جب تک مُلّا رموزی لطافت افروز مضمون نگاری کرتے رہے تو کمانے کی پابندیوں میں اسطرح جکڑے رہے کہ کامل دس برس اونھیں دن کی روشنی لکھنے کو نصیب نہ ہوئی اس سے اون پر درد دل کے شدید دورے پڑے اور وہ خاصے چیخے چلائے مگر اون کی غیرت مند قوم نے انکی ایک نہ سُنی،

اس کے بعد مُلّا رموزی کا یہ درد دل جب اور زیادہ تکلیف دہ ہو گیا تو انھوں نے تالیف وتصنیف کا وہ دماغ سوز مشغلہ شروع کیا جس میں معاش ومعاد کی فکروں سے کامل نجات حاصل ہونا شرط اول ہوتی ہے۔ مگر جیسے ہی کہ انھوں نے اپنی سب سے بلند اور سب

پہلی کتاب "عورت ذات" شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اونکی آمدنی خطرہ
میں گھر گئی۔ پھر جب انھوں نے اپنی دوسری کتاب "لاٹھی اور بھینس"
تیار کی تو اون کے مضامین کے معاوضوں نے بھی انھیں جواب
دیدیا کیونکہ اب تالیف و تصنیف کرتے یا مختلف مضامین لکھتے ہیں
اس درد سے پھر چلائے تو اون کی بیدار۔ روشن خیال ایم اے
پاس مگر زبان اردو کی دشمن قوم کے ہزاروں افراد میں سے
جتنے آدمیوں نے اون کی دوا کے لیے جتنے دام دیے اوسے وہ
اپنی کتاب "لاٹھی اور بھینس" میں چھاپ چکے،
مگر اب بھی جو یہ درد کم نہ ہوا تو اونھوں نے پھر یہ مجموعہ تیار
کیا . . . . فالحمد للہ علی
کل حال۔

لیکن مجھے اگر یہ درد ملا تھا کہ میں اپنی مصیبتوں کی ماری ہوئی
قوم کو اپنی لطیف و ظریف تحریروں سے ہنسا کر جوان بناؤں
میں اپنی تحریروں سے زبانِ اردو میں ادب لطیف اور تحریر کا

ایک شگفتہ اور جوان ذخیرہ جمع کردوں تو اس کا لازمہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ میں کسی کی ملازمت نہ کروں کہ ایسا کرنے سے مجھے مضامین لکھنے کا وقت نہ ملیگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا . . . .

- -

- - - - - - - اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ میں نے دانستہ طور پر ترک ملازمت کرکے اپنے بے گناہ دس متعلقین کو بھوک پیاس کے عذاب میں مبتلا کردیا اور فخر کرتا ہوں اپنے ان جوان ہمت متعلقین کے صبر وحوصلہ پر کہ ان سب نے میری اس دیوانگی پر بھی مجھے کچھ نہ کہا مگر کیا میری ان قربانیوں کا یہ صلہ قوم کے ذمہ عائد نہ ہوتا تھا کہ وہ بھی اپنا سب کچھ میرے لیئے وقف کردیتی مگر "کتاب عورت ذات" ایسی کتاب صرف عورتوں کے فائدے اور ان کے حق میں لکھی اور سنتا تھا کہ مرد کے مقابل عورت زیادہ نرم دل اور قدر دان ہوتی ہے مگر اس کتاب میں اپنی تمام مصیبتوں کو بیان کرکے جو درخواست کی تو صلہ یہ پایا کہ . . . .

. . . . اس کے بعد کتاب "لاٹھی اور بھینس" بھی
ورتوں ہی کے لئے لکھی اور اس میں پہلے سے بھی زیادہ اپنی
صیبتوں کو بیان کیا تو پہلا ہی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ کتاب کلہم (۱۴۴)
تعداد میں خریدی گئی مالی امداد کا تو ذکر کیا،
ور اب جو یہ کتاب لکھ رہا ہوں تو دل جانتا ہے کہ مالی مشکلات
ے کس ایمان آزما دور سے گذر رہا ہوں یعنی حد ہے کہ مہینہ بھر
ی کتابیں فروخت کرتا ہوں اور ان کی آمدنی جمع ہونیکے عیوض
ھوار گذارہ اور ذریعہ معاش بنجاتی ہے اور اگر ایک ذی مرتبہ
اہی خاندان کی ہمدردی نہ ہوتی تو اس کتاب کا حوصلہ
ی فنا ہو چکا تھا۔
ں ان حالات میں اب ایک ہی چیز رہ گئی ہے یعنی میں اس
لسلہ کو یک لخت ترک کر دوں۔ . . . . . اور بس۔ مگر سن لیجئے
ب تک یہ بات مانی جا رہی ہے کہ عرش و فرش کا خدا ہر پستی
بلندی اور ہر کمزوری کو قوت بنا سکتا ہے اور یاس کو کامیاب

امید اس وقت تک میں حوصلہ نہ ہاروں گا اور محض اسی کی نوازش کی سہارے کیونکہ آپ نے تو جو کچھ کیا اوسے میں نے اوپر کی سطروں میں ۔۔۔ دکھایا

- -

- -

- -

بھلا حد ہے اس اوندہی ذہنیت کی کہ آج ذاتی عقل وایجاد تو ہندوستانیوں میں قسم کھانے کو بھی نہیں اب یورپ سے جو کچھ سیکھتے بھی ہیں تو وہ بھی اوندھا۔ مثلاً یورپ سے ہندوستانیوں نے "مشاہیر پرستی" سیکھی تو صرف اس طرح کہ "دیوان غالب" کو ہزار رنگ سے چھپوا کر اوس کی آمدنی خود کھا بیٹھے لیکن غالب کی قبر میں اس آمدنی سے نہ ایک سنگ مرمر لگا یا نہ ایک اینٹ "

پھر غالب مرحوم کے کلام پر جتنے بڑے بڑے دماغوں نے مضامین لکھے اگر اون سے نصف بھی کسی زندہ شاعر اور ادیب کیلئے لکھے جاتے تو وہ زندہ ہونے کے باعث ان مضامین سے اور زیادہ پرجوش ہو کر کام کرتا۔ مگر وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ زندہ لوگوں کا دل بڑھانا زیادہ مفید ہے یا مردہ بھائیوں کے

جو وہ ضروریات سے دور۔ کارناموں پر طویل مضامین لکھنا، بس اونھیں تو
یا یاد ہے کہ "مشاہیر پرستی" ہر حال میں مستحسن ہے۔ یہی تو ہے کہ "لہ غلاط غالب"
ر "متروکات غالب" حتیٰ کہ غالب کا نشان انگوٹھا بھی مل جائے تو بڑی
ے رسالے اوسے رنگین صفحات میں جگھ دیں گے اور . . . . . .
لٹر اقبال دن میں دس دیوان لکھکر رکھدیں تو بس وہ ایک شیخ مبارک علی
اپ کر فروخت کر دیں گے اور وہ بھی چار پانچ سال میں صرف ایک ایڈیشن۔
سب سے بڑی دماغی خوبصورتی تو یہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ تو یورپ
وہ ہو کر لنڈن اور پیرس میں جذب ہو گیا اوسے ملکی زبان اور ملکی ادب
نام سے وحشت ہوتی ہے، تجارت پیشہ طبقہ تھا جو اپنی دولتمندی سے
ادبیات کو ترقی دے سکتا تھا مگر تجارت پیشہ طبقے میں علمی و ادبی خدام
لئے اتنی بھی جگھ نہیں کہ آج ملا رموزی مثال ہی کے طور پر رنگون، بمبئی
تے، دھلی، اور مدراس کے کسی سیٹھ صاحب کا تذکرہ کرتا۔
پس جب یہ حال ہو تو اب یہی رہ گیا ہے کہ ملا رموزی مساجد کی
موں اور رحیم خانے کے ناظموں سے درخواست کرے کہ خدارا آپ
رموزی کی اتنی امداد فرمائیے کہ وہ . . . ـــــ مشکلات سے آزاد ہو کر

زبان اردو میں چند نادر نمونے جمع کردے"
لیکن اگر یہ ہے کہ امرا اور رؤسا، تجار، خواتین، بیگمات، اور
سرکاری افسروں میں اردو میں شگفتہ بنا دینے والے ذخیرۂ ادب کے
ترقی کے نام پر کوئی فیاض جذبہ بیدار ہے تو وہ ملا رموزی کی امداد کریں
اور وہ بھی کوئی یونیورسٹی اور کوئی عجائب خانہ تعمیر کرنے کے قابل نہیں
بلکہ اوس کے " دائرہ ادب " کے لئے تاکہ وہ اس "مالی درد دل" کو
سکون پائے۔ فقط

ملا رموزی، بھوپال،

معاونین محترم

میں نے اپنی کتاب "عورت ذات" اور "لاٹھی اور بھینس" میں اپنے قدردان بہن بھائیوں سے درخواست کی تھی کہ اگر وہ میری قلمی خدمات کے سلسلہ کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ میرے دائرہ ادب کو علاوہ فیاضانہ عطایا کے مستقل طور پر ایک روپیہ ماہوار فی کس کے حساب سے بھی امداد عطا فرمائیں جس سے میرے گزارہ کے ایک سو روپیہ ماہوار جمع ہوتے رہیں تو میں مزدوری کی لعنت سے آزاد ہوکر ملک و ملت اور مذہب کی خدمت گزاری میں زیادہ سے زیادہ مستعدی کا اظہار کرسکوں پس خدا کا احسان کہ جن خوددار، غیور، بامروت، اور علم نواز بہن بھائیوں نے میری اس درخواست کا صحیح اثر لیا اون کے علم و ادب کی دنیا سے کبھی نہ مٹنے والے اسمائے گرامی مع شرح امداد کے یہ ہیں:-

گرامی مرتبہ بیگمات اور رئیس زادیاں ....

گرامی مرتبہ علیا حضرت نواب زادی رضیہ سلطانہ بیگم بھٹاری اسٹیٹ ۔

عہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ محمد نسیم احمد صاحب صدیقی ناظر عدالت بھونگر ضلع حیدر آباد دکن
عہ روپیہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ منشی راگھوو ندر راؤ الا جذب وکیل عالم پور ضلع کرنول مدراس
عہ روپیہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ پنڈت مادھو راؤ وکیل گدوال عہ روپیہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ ڈاکٹر محمد حسین صاحب، عہ روپیہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ سید ساجد علی بریلوی عہ روپیہ ماہوار مستقل

گرامی مرتبہ شاہزادہ فضل داد خاں صاحب صدر افغان کمیٹی ڈیرہ اسمٰعیل خاں ے روپیہ

گرامی مرتبہ۔ ٹی۔ کرشنا شرما۔ وکیل کرنول صہ روپیہ

گرامی مرتبہ محمد عبدالستار صاحب رشید اکوہ چراٹ ضلع پشاور عار

گرامی مرتبہ بابو عبداللطیف صاحب عہ

گرامی مرتبہ شیخ عبدالعزیز صاحب کوتوال عار

گرامی مرتبہ چودھری محمد امین صاحب اوچل عار

گرامی مرتبہ سیٹھ اسمٰعیل صاحب اخوند جزیرہ ری یونین فرانس ۳۰ فرانک

یہ ہیں وہ قابل احترام و شکریہ بہن بھائی جنھوں نے ایک عملی

وادبی خادم کی امداد کے جذبے سے یہ رقمیں عطا فرمائیں۔ خدا جزائے خیر دے
ان کے بعد جن بھائیوں نے میرے "سی، پی" اور "برار" کے دورہ میں مجھے کتابوں کے
خریدار بہم پہونچائے وہ یہ ہیں۔

گرامی مرتبہ ڈاکٹر اعظم کریوی ایڈیٹر رسالہ الہ آباد ۲۰ خریدار
گرامی مرتبہ ماسٹر سید حفیظ الدین صاحب شوقی، بی، اے، برہانپور ۲۰ خریدار
گرامی مرتبہ بشیر احمد صاحب جالندہری انسپکٹر آف درکس جی، آئی، پی ۲۰ خریدار
گرامی مرتبہ پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب عابدی ایم، اے، امراؤتی برار ۲۰ خریدار

اب میری سابقہ درخواستیں ملاحظہ فرمائیے اور پھر ذرا سوچئے کہ دس کروڑ
اردو سمجھنے والوں میں اور خصوصاً دولت مند طبقوں اور عورتوں ایسے
فیاض فطرت طبقات میں میری کتابیں خاصے لطف کے ساتھ سنی اور
سنائی گئیں سمجھی اور سمجھائی گئیں مگر مذکورہ بالا بہن بھائیوں کے سوا باقی کل
ناظرین اوسی طرح خموش رہے جس طرح کوئی گونگا آدمی کوئی بات سن تو
لیتا ہے مگر بول نہیں سکتا۔
پھر کب تک کہا جائے کہ جب تک دولت مند طبقہ اردو کے نام پر

آمادہ سرپرستی نہ ہو گا اوس وقت تک یہی ہوگا کہ ہم ایسے لوگ بتاتے رہیں گے اور صاف صاف بتاتے رہیں گے کہ مسلمان کی دولت کو فلاں فلاں قسم کے مصرف ہیں مگر وہ نہیں صرف کرتے تو علمی خدام پر۔ بھر کیفیت اب کہ میں نے خود کو .... خدا کے رحم وکرم کے فضل پر چھوڑ دیا ہے اب بجز اسکے کوئی ذریعہ نہیں کہ میں اپنے عالی حوصلہ ناظرین اور ناظرات سے پھر ایک مرتبہ کہوں کہ وہ میرے اس سلسلۂ قلم کو جاری رکھنے کے لئے میری مستقل سرپرستی فرمائیں جس کے لئے اب رقم کی مقدار اونہی کے حوصلہ پر چھوڑی جاتی ہے۔

وباللہ التوفیق

خزانۂ علم و ظرافت

ازڈاکٹر عبدالحفیظ خاں منشی فاضل

عورت ذات

"جلد اول"

زبان اردو میں مُلّا رموزی کی بہار افروز تحریروں کو جو رتبہ حاصل ہو چکا ہے اوس میں مُلّا رموزی کے قلم کی ندرت نگاری، جدت، اور اچھوتے طرز بیان کو خصوصیت حاصل ہے یہ کتاب خود مُلّا رموزی کے قول کے موافق اون کی تمام تحریروں کی جان ہے" اس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ یہ تھکے ہوئے دماغوں سے رنج و غم اور فکر و مایوسی کے مارے ہوئے قلوب کو نئے سر سے جوانی "زندگی" "خوشی" اور جوش بخشتی ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پورے ہندوستان کے ازدواجی "معاشرتی" رواجی، مذہبی، اور گھریلو حالات اور اخلاق کا ایک ایسا مکمل مجموعہ ہے جس میں وہ کچھ مل جاتا ہے جو اردو میں اس وقت تک نہیں، مثلاً اس میں یورپ کی بیوی

امریکہ کی بیوی، افریقہ کی بیوی، ایشیا کی بیوی، پھر ہندوستان کے کنجڑے کی بیوی، کسان بیوی، مزدور کی بیوی، بھٹیارے، دہوبی، حلوائی، مالی تیلی، تنبولی، جلاہے، اور مہاجن کی بیوی، رنڈی بیوی، تھیٹر اور سینما کی بیوی مشاطہ بیوی، منشی بیوی، عالم بیوی، فاضل بیوی، بیوہ بیوی اور اپنی بیوی کے جو تفصیلی حالات مُلّا رموزی نے اپنے رنگین قلم سے جس طرح لکھے ہیں اور اوس پر اردو کے سب سے بلند اور چوٹی کے اخباروں نے جو طویل تر تبصرے لکھے ہیں اون کے خلاصے ملاحظہ ہوں، چنانچہ

اخبار "زمیندار لاہور مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۱ء | لکھتا ہے کہ یہ کتاب مُلّا رموزی کی خامہ بداعت نگار کا نقش بہترین ہے -

اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۷ اگست ۱۹۳۱ء | لکھتا ہے کہ عورتوں کے حالات پر اس کتاب سے زیادہ جامع اور سیر حاصل بحث کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی "

اخبار "الجمعیتہ دہلی مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء | ایک طویل تر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ملا رموزی کی تمام تحریروں میں یہ کتاب "حاصل کلام کا حکم رکھتی ہے "

اخبار "انقلاب لاہور مورخہ ۷ نومبر ۱۹۳۱ء | لکھتا ہے کہ میاں بیوی کے اتنے نازک موضوع پر اس کتاب کو ملا رموزی نے اس حیرت انگیز طریق پر لکھا ہے کہ اون کا

قلم کسی جگہ فحش بت پر مائل نہوا، اور کوئی نہیں جو اسے شروع کر کے ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔

غرض ان سے بھی سوا بلند رائیں ہیں جو اس کتاب کے حق میں حاصل ہو چکی ہیں پھر ظرافتِ علمی اور لطافت بیان کے جو نمونے اس میں ہیں اور کردار نویسی کے جو حیرت انگیز سلیقے اس میں دکھائے گئے ہیں انہیں خود ملاحظہ فرما کر اس بلند پایہ ادیب کو داد دیجئے (صفحات ساڑھے چار سو) قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ محصول ڈاک ۷ر

عورت ذات جلد دوم

اس کتاب کا دوسرا حصہ اور انہی خوبیوں کا نمونہ جس میں رضا کار بیوی، یورپی بیوی، لیڈر بیوی، لیڈر کی بیوی، ایڈیٹر کی بیوی، ٹکٹ کلکٹر بیوی، ڈاکٹر بیوی، مسافر بیوی۔ اُستانی بیوی، لڑاکا بیوی، بزرگ بیوی وغیرہ یہ وہ بیویاں ہیں جن پر ہندوستان کی تمام اقسام کی بیویاں قریب قریب ختم ہو جاتی ہیں، ان میں خصوصیت سے، یورپی بیوی، رضا کار بیوی، مسافر بیوی، اور اُستانی بیوی کے لئے ملا رموزی نے

جو زور قلم صرف کیا ہے اور ان کے حسن و رنگ پر جو فردوس نظر عبارتیں لکھی ہیں حق یہ ہے کہ وہ زبان اردو کی ترقی کا لاجواب نمونہ ہے پھر ان میں علمی اور اخلاقی تحقیق کے جو کمالات دکھائے ہیں اُن سے ملا رموزی ایک بلند مرتبہ محقق اور لطافت نگار کی صورت میں نظر آتے ہیں صفحات تقریباً (۲۵۰) قیمت تحقیقی تھا

دیوان مُلّا رموزی

مُلّا رموزی کی تمام تحریری کائنات میں یہ بالکل ہی نئی چیز ہے۔ یعنی آج تک جن بھائیوں کو معلوم نہیں تھا کہ مُلّا رموزی نثر کی طرح نظم کہنے میں بھی ایک سب سے نرالے سلیقے کے مالک ہیں اونہیں اس دیوانِ رنگ رنگ کو ضرور خریدنا چاہیئے۔ اس میں مُلّا رموزی صاحب کی عجیب وغریب نظمیں ہیں جو اسکولوں کے لڑکے، اسکولوں کے اوستاد، اسکولوں کے والد، اسکولوں کے بورڈنگ اور مسلمان غنڈوں کے عجب عجب عنوانوں سے کہی گئی ہیں اور سارے ملک سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، ان پر ایک ایک نظم حضرت جوش ملیح آبادی، اور حضرت دم وارثا ہ کی بھی اضافہ

کی گئی ہے، غرض ہنستے ہنستے پیٹ میں بل نہ پڑ جائی تو ہمارا ذمہ، قیمت صرف ۴/

زندگی

یہ ملا رموزی کے ادبی ظریف و لطیف مضامین کا منتخب مجموعہ ہے جسے ادارہ علمیہ حیدرآباد۔ دکن نے حال ہی میں شائع کیا ہے اس میں مختلف عنوانات کے تحت ملا رموزی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ماتم کدوں کو عشرت کدے بنانے والا ذخیرہ ہے، خصوصاً ملا رموزی کے سفرنامے ایک مستقل بہار ہیں جنہیں پڑھنے والے خزاں سے دوچار نہیں ہو سکتے۔

صفحات تقریباً (۳۱۲) قیمت فی جلد ۶/

سوانح عمری ملا رموزی

(بقلم خود)

بے شمار سوانح عمریوں میں سب سے اہم اور دلچسپ وہ سوانح عمریاں ہیں جنہیں خود صاحب سوانح نے اپنے قلم سے لکھا ہے لیکن ملا رموزی نے اپنی پیدائش سے لیکر موت کے حالات مع جنازے اور مزار کے اپنی زندگی میں

اپنے ہی قلم سے حسب عجیب و غریب انداز سے لکھے ہیں آج تک اگر ہندوستان کی
کوئی ایک سوانح عمری بھی اردو میں بتا دی جائے تو یہ کتاب مفت
نذر کیجائے گی۔ اصل میں یہ مُلّا رموزی کی اوس ہنگامہ خیز سوانح عمری کا ضمیمہ
ہے جسے وہ اپنی واقعی موت کے بعد چھپوانے کی تکمیل کر چکے ہیں اور یہ اسلئے
کہ اس اصل سوانح عمری میں موصوف کے دوستوں حاسدوں اور مخالفوں
کی ایسی ایسی کیفیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں جنہیں دیکھ کر دنیا حیران
رہ جائیگی کہ اردو کے اتنے نامور ادیب کے ساتھ کیسے کیسے مظالم روا
رکھے گئے مگر اوس کے صبر و استقلال نے اپنی زندگی میں یہ بھی گوارا نہ کیا کہ
اوسکے دوست اوس کی آنکھوں کے سامنے ذلیل ہوں پس اگر ایک بالکل
ہی نئے قسم کی تحریر اور سوانح عمری دیکھنا ہو جس میں خود سوانح عمری والے
نے اپنے قلم سے اپنے جنازے اور مزار تک کے حالات لکھے ہوں
تو صرف ساڑھے چار آنے کے ٹکٹ بھیجکر یہ سوانح عمری طلب کیجیے۔

۱۹۰

لاٹھی اور بھینس

یہ تازہ ترین کتاب ہنسی، خوشی کا البم اور غم و الم دور کرنے اور حکمت دعوائے کا لاجواب نمونہ ہے، اس میں مُلّا رموزی نے اپنی بھینس کے جو حد سے سوا ہنسانے والے حالات لکھے ہیں ادن میں اس زمانے کی ماؤں لڑکیوں اور فیشن ایبل عورتوں کی، معاشرت و اخلاق کے عجیب عجیب واقعات جس عجیب انداز میں لکھے ہیں اون کا تقاضہ ہے کہ یہ کتاب ہر گھر میں رہے، اس کی ہنسی پیدا کرنے والی اور غم سے دور رکھنے والی خوبی اس خیال سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جب ایک ظریف ادیب بھینس ایسے جانور پر ایک پوری کتاب لکھے گا تو کیا کچھ نہ لکھا ہو گا صفحات (۱۲۱)
قیمت ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصول ڈاک ۔

ملنے کا پتہ۔ مُلّا رموزی، بھوپال

ہمیں آج یہ خبر بانگ دہل سناتے ہوئے حقیقی مسرت ہے کہ۔
ہماری حیرت انگیز سو فیصدی کامیاب مجرب ایجاد

گلوری

رات کو کپڑے ناپاک ہوجانے یا بدخوابی کی
بے خطا اور حکمی دوائی ہے
خواہ آپ کو کتنی ہی پرانی شکایت ہو لیکن اگر ہماری دوائی کی
صرف بارہ پڑیاں آپ کو کامل طور پر اچھا نہ کردیں تو دس گنی واپس۔
قیمت بارہ خوراک صرف پانچ روپے۔ محصولڈاک معاف
نوٹ ۔ ہماری قیمتی کتاب مایہ زندگی صرف ۱ر کا ٹکٹ برائے محصولڈاک
ارسال کر کے طلب فرماویں۔

پتہ: منیجر دی آئیڈیل ٹریڈنگ کمپنی (میڈیسن ڈیپارٹمنٹ)
قصور۔ (پنجاب)

سالن کو زیادہ لذیذ بنایئے

ہماری مشہور عالم قصوری خوشبودار میتھی کھانے کو زیادہ لذیذ، خوشگوار اور زود ہضم بنانے میں چار دانگ عالم میں حیرت انگیز شہرت حاصل کر چکی ہے ہم میتھی کی کاشت خود خاص طور پر اپنے زیر نگرانی کرواتے ہیں اور بعد میں سائنٹفک اصولوں کے مطابق خشک کر کے پیکٹوں میں بند کرواتے ہیں ہر سیر میتھی کے پیکٹ میں ایک انعامی کوپن بند کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایسے پانچ کوپن واپس کرنے والے صاحب کی خدمت میں ایک سیر میتھی بطور انعام مفت نذر کی جاتی ہے۔ قیمت فی سیر ۱۲؍ محصولڈاک معاف نمونہ کا پیکٹ مفت حاصل کرنے کیواسطے ۲؍ کے ٹکٹ برائے محصول ڈاک روانہ کرنے چاہئیں۔ ہماری بڑھتی ہوئی شہرت کو دیکھ کر بہت سے نقال پیدا ہو چکے ہیں۔ اصلی چیز حاصل کرنے کے لئے ہمارا پتہ نوٹ فرما لیجئے۔

منیجر دی آئیڈیل ٹریڈنگ کمپنی قصور (پنجاب)

کشیدہ کاڑھنے کی مشین

بیگمات کے لئے نہایت کار آمد تحفہ ہے۔ اس مشین سے تھوڑے ہی عرصہ میں اور ذرا سی محنت سے نہایت خوبصورت اور اعلیٰ ریشمی کشیدہ کاری بہت بڑھیا اور پائدار بنائی جا سکتی ہے۔ بانات، مخمل، کھدر، لٹھا اور دیگر ہر قسم کے موٹے کپڑوں پر اعلیٰ درجے کے نقش و نگار، بیل بوٹے، پھول وغیرہ نہایت آسانی سے بن سکتے ہیں۔ تکیوں کے غلاف، بچوں کی ٹوپیاں، مخمل کی گرگابیاں۔ سلیپر، ٹیبل کلاتھ، جھالریں، غرض ہر چیز پر ہر قسم کی گلکاری لاجواب طریقے سے نہایت جلدی اور بالکل ہی تھوڑی دیر میں بنائی جا سکتی ہے۔

ترکیب استعمال۔ نہایت آسان ہے۔ ایک مشین ضرور منگاویں۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت قسم خاص ۲؎ قسم اول ۱؎

:- منگوانے کا پتہ :-

دی ونڈرس ہاؤس۔ قصور۔ (پنجاب)

اینٹی سفلس پلز

مرض آتشک (گرمی) کا بہترین علاج انجکشن ہے۔ مگر ہندوستان میں اس قدر مفلسی پھیل گئی ہے کہ انجکشن کے مصارف برداشت کرنا ایک غریب آدمی کیلئے غیر ممکن ہے۔ اور مرض آتشک بھی ہندوستان میں مکڑی کے جال کی طرح پھیل چکا ہے۔ اس مرض کی ہزاروں بلکہ لاکھوں دوائیں ہیں مگر جس روز سے اینٹی سفلس پلز ایجاد ہوئی ہے ہر شخص ان کو استعمال کر کے صرف سات روز میں صحت کلی حاصل کر رہا ہے۔ یہ مرض آتشک کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہیں صرف سات روز یہ گولیاں کھانے سے آتشک کے زخموں کے نشان تک مٹ جاتے ہیں۔

ترکیب۔ ۲ گولی صبح ۲ گولی دوپہر ۲ گولی شام ہمراہ پانی کھانا چاہیئے۔

طلائے ملذذ و فیروزی

یہ طلا لذت اور سرور بخشتا ہے بوقت ضرورت تھوڑا روغن زعفرانی میں ملا کر طلا کریں اور کچھ عرصہ بعد کپڑے سے صاف کر کے مشغول ہوں اسکی تعریف تہذیب کے دائرہ سے خلاف ہے قیمت ہر دو دوا طلائے ملذذ و روغن زعفرانی ۲؍ روپیہ منیجر سلطانیہ میڈیکل اسٹورس بھوپال

گولڈن پلز

نامردی کی بیش بہا گولیاں ہیں ان کے استعمال سے تمام زائل شدہ قوتیں از سر نو تازہ ہو جاتی ہیں۔ یہ گولیاں بھی خوراک اپنا جادو نما اثر دکھاتی ہے ان کے استعمال سے قوت رجولیت میں اس قدر زیادتی ہو جاتی ہے کہ انسان بے چین ہو جاتا ہے۔ ہزاروں نادر زادہ نامرد بھی ان کے استعمال سے مرد بن گئے ہیں ان کی جسقدر تعریف کیجائے کم ہے۔ یہ گولیاں نوابوں، رئیسوں، اور شوقینوں کی جان ہیں ان گولیوں کا استعمال صرف شادی شدہ اشخاص ہی کریں۔ قیمت ۲۴ گولی ۸ روپے
۵۰ گولی عـہ/ ۱۰۰ گولی للعہ/

وٹو

ہنگیریا نے سوزاک اور آتشک سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دوا ایجاد کی ہے اس دوا کو قبل اور بعد عضو مخصوص پر لگا کر بیمار سے بیمار عورت کے ساتھ ہم صحبت ہونے پر بھی مرد کو کوئی بیماری نہیں ہوتی لاکھوں اس دوا کو استعمال کر رہے ہیں بہت مفید ثابت ہو رہی ہے عیاشوں کی جان ہے قیمت عہ/

پتہ منیجر سلطانیہ میڈیکل اسٹورس بھوپال

طلائے فیروزی

اکثر لوگ ۔۔۔۔ عیاشی میں مبتلا ہوکر اپنی زندگی کو بیکار کر لیتے ہیں عضو ۔ کی رگیں پھول جاتی ہیں بدن پر سستی آ جاتی ہے مرد عورت کے کام کا نہیں رہتا یعنی نامرد ہو جاتا ہے ان تمام باتوں کے دور کرنے کے لیئے کیمیاوی اصول کے ماتحت یہ طلاء تیار کیا گیا ہے یہ طلاء اُن لوگوں کے لیئے جو جوانی کی غلط کاریوں سے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر چکے ہوں آبِ حیات ہے رگوں اور پٹھوں کی جملہ خرابیوں کو رفع کر کے پوری قوت پہونچاتا ہے ہزاروں نامردوں کو مرد بنا چکا ہے اس کے استعمال میں کسی موسم کی قید نہیں ہے کوئی اور بدبودار دوا اسمیں شامل نہیں کی گئی ہے پھر لطف یہ ہے کہ بالکل بے ضرر نہ اُبھار کرتا ہے نہ سوزش نہ چھینکی پیدا ہوتی ہے۔ طریق استعمال :۔ وقت شب سیون چھوڑ کر استعمال (یعنی مالش) کر کے گرم پان پیچے دھاگے سے باندھ لیں ۲۰ روز تک استعمال کریں۔ اگر تیسرے چوتھے روز خفیف سے دانے نکل آئیں تو طلاء کا استعمال ملتوی کر کے صبح شام گھی جلا کر لگائیں آرام ہونے پر پھر طلا کا استعمال شروع کریں انشاء اللہ ۲۰ روز کے استعمال سے اعضاء کی تمام خرابی سستی اور کمزوری دور ہوکر از سرِ نو طاقت مردانگی و برانگیختگی پیدا ہو جائیگی قیمت فی شیشی جو ۲۰ یوم کے لئے کافی ہوگی عہ

پتہ مینجر سلطانیہ میڈیکل اسٹورس بھوپال

مقبول ٹانک پلز

طاقت کی بہترین دوا

یہ گولیاں حلق سے اترتے ہی تمام مردہ قوتوں کو ازسرِ نو زندہ کر دیتی ہیں کمزور و ناتواں مریض کو طاقتور و توانا بنا دیتی ہیں۔ اعصاب پر بجلی کی طرح اثر کرتی ہیں۔ جریان سرعت...... کمزوری نامردی ضعف باہ ہاتھ پاؤں میں رعشہ۔ اختلاجِ قلب ضعف حافظہ۔ جوانی میں بڈھوں کی سی حالت یہ تمام شکایات بالکل رفع ہو جاتی ہیں شکستہ جسم توانا ہو جاتا ہے زور آور ہو جاتی ہے طبیعت بشاش ہاضمہ درست ہو جاتا ہے جسم میں سرخ خون پیدا ہوتا ہے تندرست احباب ان گولیوں کو استعمال کر کے چہار گنہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کے استعمال سے اس غضب کی تحریک پیدا ہوتی ہے کہ طبیعت بے چین ہو جاتی ہے یہ گولیاں تمام زائل شدہ قوتوں کو واپس لا کر ازسرِ نو جوانی سے کہیں زیادہ قوت پیدا کر دیتی ہے۔ اس قدر فوائد کے باوجود رفاہِ عام کی غرض سے بہت کم قیمت رکھی ہے تاکہ ہر شخص لطف اندوز ہو سکے۔

ترکیب استعمال:۔ دو گولی صبح ۲ گولی دوپہر ۲ گولی شام بعد غذا کھانا چاہیئے دوران استعمال میں دودھ گھی کا خوب استعمال کیا جائے قیمت فی شیشی عہ پتہ منیجر سلطانیہ میڈیکل سٹورز بھوپال

تصنیفات مُلّا رموزی

نمبر	نام کتاب	قیمت	موضوع
۱	سوانح مُلّا رموزی	سعہ ر	اس میں مُلّا رموزی صاحب نے اپنے سوانح زندگی کے حالات کو پیدائش سے لیکر انتقال تک خود ہی لکھا ہے، بے حد عجیب وغریب سوانح عمری
۲	انتخاب گلابی اُردو	۸ر	یہ وہ مقبول ترین اور انوکھا طرز تحریر ہے جس میں سیاست و نکتہ چینی کے بیانات اور آتش ریز مضامین جمع کئے گئے ہیں اور جو ہندوستان کے تمام طبقات سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔
۳	مقالات گلابی اُردو	۱۲ر	حصہ دوم
۴	خواتین انگورہ	سعہ ر	مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ جنگ ترکی و یونان میں جن عورتوں نے شرکت کی اور انتظام حکومت میں حصہ لیا اُن کے تفصیلی اور مستند حالات، نہایت تاریخی اور بہترین کتاب،
۵	لٹھ رموزی باتصویر	عہ ر	اس میں مُلّا صاحب کے دوسرے ایجاد کردہ طرز تحریر یعنی سادہ اور مروجہ اُردو کے مضامین ہیں جن میں فصاحت اور ظرافت کے دلنواز نمونے، اپنی لاجوابی و بے مثالی کی

تصنیفات مُلّا رموزی

نمبر	نامِ کتاب	قیمت	موضوع
			داد تمام ادبی طبقوں سے حاصل کر چکے ہیں، اس میں ملا صاحب کی تصویر بھی ہے۔
	حکایاتِ رموزی	عہ	حصہ دوم۔
	صبح لطافت	عار	اگر ظرافت و زندہ دلی اور سیاسی نکتہ چینی کے نمونے دیکھنا ہوں تو اس کتاب کو دیکھیے حصہ سوم
	زندگی	عار	ادبِ عالی، صحت نگارش، کردار نگاری، اور ظرافت کا دریا موجزن
	شادی	عار	مُلّا رموزی صاحب کی شادی کے تمام تفصیلی حالات جنہیں خود مُلّا صاحب نے اپنے لطافت بار قلم سے لکھے ہیں۔ جاہلانہ رسوم کی اصلاح اور طنز نگاری کا لاجواب خزانہ
	عورت ذات	ہے	یہ کتاب ملا رموزی کی سب سے بلند علمی کتاب ہے جس میں وسعت معلومات کا ایک دریا ہے، یورپ، امریکہ، افریقہ، ایشیا، اور ہندوستان کی ازدواجی زندگی کی ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا ہے کہ ہنسی ہنسی میں بے شمار میاں بیوی کے حالاتِ زندگی معلوم کر لیجیے۔

تصنیفات مُلّا رموزی

نمبر	نام کتاب	قیمت	موضوع
۱	لاٹھی اور بھینس	عہ	ظرافت اور کمال انشا پردازی کا جیتا جاگتا نمونہ یعنی بھینس ایسے جانور پر پورے ڈیڑھ سو صفحات کا بے شمار [illegible] رنگ میں لکھ دیا جانا کمال قلم ہے بظاہر ایک فسانہ ظرافت ہے لیکن عورتوں کی اصلاح کا ایک قابل احترام سبق بھی ہے
	دیوان مُلّا رموزی	سہ ر	اسکولوں کالجوں اور عام نوجوانوں کی فیشن اپیل اور فیشن پرست زندگی کی اصلاح پر مُلّا رموزی کی وہ ظریف اور ہنسانے والی نظمیں ہیں جن میں ماسٹروں اور پروفیسرز کو بھی رگیدا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ

مُلّا رموزی۔ بھوپال